www.urducouncil.nic.in

جولائی 2016، قیمت:- ₹10/-

ماهنامه

بچوں کی دنیا

دھلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

ہندوستان کا پہلا خلائی شٹل

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا

دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد:4 شمارہ:7 جولائی 2016

مدیر: پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:49539009-11

ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10روپے، سالانہ/100روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون:26109746
ای میل:sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002
فون:040-24415194

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ	ادارہ	05
حد پرواز سے آگے	ہندوستانی اسپیس شٹل کا تجربہ!	انیس الحسن صدیقی	06
نظم	صبح عید	عبدالناصر	09
مضامین	عید کارڈ	محمد سراج عظیم	10
	کمپیوٹر کی اہمیت	سیدہ فاطمہ زہرہ	14
نظمیں	علم	مناظر عاشق ہرگانوی	16
	چڑیا کی بریانی	ساحر کلیم	17
	دیش کے سر کو اونچا کریں گے	محمد عمر فاروق	18
سائنس کی الف لیلہ	ایک یہودی کیمیا داں نے۔	سکلف اور سکلف	20
کہانیاں	کوئل کیوں گاتی ہے	شیریں نیازی	27
	خواب اور حقیقت	مشتاق اعظمی	30
نظم	گڑیا	اشتیاق احمد راشد	32
کہانیاں	کھڑکی	محمد نثار	33
	حوصلہ	محمد آصف	35
قسط وار ناول	قصہ حاتم طائی	حیدر بخش حیدری	37
کہکشاں	چمن چمن کے پھول		43
	4-G تکنیک کیا ہے؟	انتخاب بن تنویر	44
	ہمارا ہندوستان	انصاری محمد شاہین	45
	بوجھو تو جانیں	عبدالمغیث عبدالعظیم	49
	ہماری زبان	ادارہ	50
	دنیا کی کچھ اونچی عمارتیں	نہا سلیم	51
	کولکاتا کے کچھ مشہور اور اہم سیاحتی مقامات		54
ننھے فنکار	ہنسی کے غبارے		56
	برائی کا انجام	الوینہ کاظمی	57
	مادری زبان میں تعلیم کی اہمیت	صدف معین	58
	بچوں کی پینٹنگ		59
آپ کی باتیں	اردو فیس بک		61

آپس کی باتیں

دوستو! محنت اور لگن کامیابی کی کنجی ہے۔ اگر انسان میں مضبوط قوتِ ارادی اور خوداعتمادی ہو تو اس کے لیے بلندیوں تک پہنچنا مشکل نہیں۔ بلند خواب ہی انسان کو ان منزلوں تک پہنچاتے ہیں جن کا وہ تصور بھی نہیں کر پاتے۔ سول سروسز میں کامیاب ہونے والے بہت سے ہونہاروں کے پاس وسائل نہیں تھے، راستے میں غربت حائل تھی مگر ان کے عزائم بلند تھے۔ اس لیے انھوں نے تمام رکاوٹوں پر قابو پاتے ہوئے کامرانیوں کی نئی عبارتیں لکھیں۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ مہاراشٹر کے ایک آٹو رکشہ ڈرائیور کے بیٹے انصار احمد شیخ نے بھی سول سروسز میں کامیابی حاصل کی۔ بھوپال کی ٹینا ڈابی نے اپنی محنت سے پہلی کوشش میں ہی سول سروسز میں پہلا مقام حاصل کرلیا۔ جموں وکشمیر کے اطہر عامر خاں نے بھی کامیابی کی نئی مثال قائم کی ہے اور دوسری پوزیشن حاصل کی۔ پرتاپ گڑھ کے انل پرکاش مشر کے گھر میں تو خوشیاں ہی خوشیاں ہیں۔ گذشتہ سال ان کی ایک بیٹی اور ایک بیٹے نے اس امتحان میں کامیابی حاصل کی تھی تو اس سال ان کے دوسرے بیٹے اور بیٹی نے بھی سول سروسز میں اپنی محنت سے اس منزل کو حاصل کرلیا جس کا خواب ہمارے ہندوستان کے اکثر نوجوان دیکھتے رہتے ہیں۔

پیارے بچو! خواب سے سے ہی منزلیں ملتی ہیں۔ آپ بھی اگر بڑے خواب دیکھیں گے تو ضرور اس کی تعبیر ایک دن نظر آئے گی۔ بس محنت اور لگن شرط ہے۔ آج ہی عزم کیجیے کہ ہمیں اپنے خوابوں میں حقیقت کا رنگ بھرنا ہے اور محنت شروع کردیجیے۔ ان شاءاللہ کامیابی ضرور آپ کے قدم چومے گی۔

ہمارے ملک نے 23 تاریخ کو خلائی مشن کے شعبے میں ایک اور تاریخ رقم کی ہے۔ ہماری خلائی ایجنسی (ISRO) نے 23 مئی کو آندھرا پردیش کے شری ہری کوٹا خلائی مرکز سے ہندوستان میں تیار شدہ اسپیس شٹل RLV-TD کو کامیابی سے لانچ کیا ہے۔ یہ ہندوستان کا اپنا خلائی شٹل ہے۔ RLV-TD سے زمین کے مدار میں شٹل کو پہنچانا اور واپس زمین پر آنا ممکن ہوجائے گا۔ اسے دوبارہ استعمال کیا جاسکتا ہے جس سے خلائی مشن پر ہونے والے خرچ کو 10 گنا کم کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کے خلائی شٹل صرف امریکہ، روس، فرانس اور جاپان نے ہی بنائے ہیں۔ اب ہندوستان بھی ان ممالک کی صف میں شامل ہوگیا ہے۔ اس خلائی شٹل کو حتمی شکل دینے میں 8,10 سال لگ سکتے ہیں۔ اگر سب کچھ ٹھیک رہا تو آنے والے دنوں میں ہمارا ملک خلائی مشن میں سب سے کامیاب ممالک میں شمار کیا جائے گا۔ اس خلائی شٹل کا نام کلامیان رکھنے کا منصوبہ ہے۔ اس شٹل کی مدد سے مریخ اور چاند کے علاوہ دوسرے سیاروں تک پہنچنا ممکن ہوجائے گا۔

اچھی اچھی کہانیاں، نظمیں اور معلوماتی مضامین کی اشاعت ہمارا اولین مقصد ہے۔ آپ کی ڈھیر ساری تخلیقات اور پینٹنگ بھی ہمیں مل رہی ہیں۔ 'بچوں کی دنیا' کی مقبولیت کا اندازہ آپ سب کے خطوط اور تخلیقات سے ہوتا ہے۔ یہ آپ کا اپنا رسالہ ہے۔ 'بچوں کی دنیا' کے تعلق سے اپنی رائے اور مشورے دینا نہ بھولیں۔

آپ سب کو عیدالفطر بہت بہت مبارک ہو!

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

ڈاک خانہ

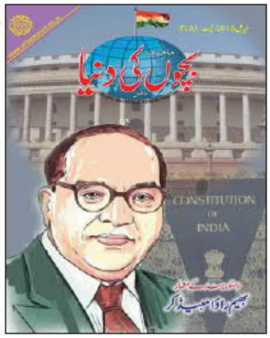

'بچوں کی دنیا' شاندار و پرکشش ہے جو بچوں کو متاثر کرتا ہے۔ میں یہاں اردو اسکول کے بچو ں میں زیادہ سے زیادہ دینے کی سعی کررہا ہوں۔ فی الحال 45 عدد آرہا ہے۔

قریشی نیوز ایجنسی، رحمانی اسٹور، رزاق سنیما روڈ، راورکیلا، اڈیشہ

'بچوں کی دنیا' پڑھنے کا ایک تسلسل تھا جو کہ گذشتہ چند مہینوں سے چھوٹ گیا تھا لیکن اب وہ تسلسل دوبارہ جڑ گیا ہے۔ ہمارے اسکول کے طلبا بھی اس رسالے کو بڑے ہی ذوق وشوق سے خریدتے ہیں اور اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ میں ایک اسکول میں تدریس کی سرگرمیاں انجام دیتا ہوں اور بچوں کو اردو سے محبت اور لگاؤ بڑھانے کے لیے انھیں طرح طرح سے تحریک دیتا رہتا ہوں جس میں یہ رسالہ میری بڑی حدتک مدد کرتا ہے۔

عرفان احمد خان، حاجی محمد ہاڈیلا اسکول پربھنی، مہاراشٹر

'بچوں کی دنیا' کو دیکھ کر خوشی کی انتہا نہ رہی۔ پھر دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ میں بھی اپنی تحریر 'بچوں کی دنیا' کے نام کروں۔ واقعی بچوں کی دنیا کو اس خوب صورت اور دلکش انداز میں دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ 'بچوں کی دنیا' نے ادب اطفال میں اپنا ایک منفرد مقام بنالیا ہے۔ یہ بات بالکل شیشہ کی طرح صاف ہے کہ 'بچوں کی دنیا' بچوں کے علم میں اضافہ کا ایک بہترین ذریعہ ہے اور یہ رسالہ ہر حالت میں مفید ثابت ہورہا ہے۔

مسکان بی سید خالق، الحسنات اردو ہائی اسکول، وجونیر کالج رسلپور

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' واقعی دیدہ زیب رسالہ ہے۔ یہ رسالہ بچوں کی نفسیات سے متعلق تخلیقات کے ساتھ ساتھ بڑوں کے لیے بھی معلومات اور تفریح کا منبع ہے۔ ایک طرح سے کہا جائے کہ اس کے مشمولات کافی اہم اور معلوماتی یعنی گاگر میں ساگر جیسے ہیں۔

شمس الدین شمس، اردو ٹیچر مڈل اسکول، ہرنا جھاجھا (جموئی)

میں رسالہ 'بچوں کی دنیا' کا نیا قاری ہوں۔ جنوری میں اس رسالے کو اپنے قریبی بک اسٹال سے خریدا۔ مطالعہ کے بعد احساس ہوا کہ یہ صرف ایک رسالہ ہی نہیں بلکہ بچوں کے ساتھ ہم بڑوں کے لیے معلومات کا خزانہ اور علمی تشنگی بجھانے کا ایک اچھا ذریعہ ہے لہٰذا پہلی فرصت میں ہی اپنے چھوٹے بھائی اور اپنے پیارے بھانجے ریحان علیم جو فی الوقت ''آسنسول ہمدرد پبلک اسکول'' کے درجہ سوئم کا طالب علم ہے کو سالانہ خریداروں کی فہرست میں شامل کروا دیا۔ ماشاء اللہ رسالہ پابندی سے مل رہا ہے۔ اللہ سے دعا گو ہوں کہ یہ رسالہ روز بروز ترقی کرے۔

محمد گلزار عالم، ریل پار، جہانگیری محلّہ، آسنسول، مغربی بنگال

انیس الحسن صدیقی

ہندوستانی اسپیس شٹل کا تجربہ!

ہماری زمین (Earth) جس پر ہم رہتے ہیں نارنگی کی طرح گول ہے۔ اس لیے اس کو کُرّہ ٔ ارض کہا گیا ہے۔ اس کے ہر طرف گولائی میں زمین کی سطح سے 96 کلومیٹر اونچائی تک فضا (Atmosphere) پائی گئی ہے۔ یہ ہوا کے ایک کمبل کی طرح ہے۔ اس لیے اس کو کُرّہ ٔ باد بھی کہا گیا ہے۔ یہ تمام ہمارے کُرّہ ٔ ارض کو آکسیجن گیس مہیا کرتی ہے جس کی وجہ سے ہم سب زندہ رہتے ہیں۔ جوں جوں ہم زمین سے اوپر اونچائی کی طرف جاتے ہیں اس ہوا میں آکسیجن کی مقدار کم ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ 96 کلومیٹر کی اونچائی کے بعد تو آکسیجن گیس بالکل بھی نہیں ہوتی ہے۔ بس اسی جگہ سے ہر طرف خلا (Space) شروع ہو جاتی ہے۔

ہوائی جہازوں کو اُڑنے کے لیے ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہوائی جہاز کے اردگرد دوڑتی ہوئی ہوا ہی ہوائی جہاز کو اوپر کی طرف اُٹھانے اور ہوا میں اُڑانے کی طاقت کا کام کرتی ہے اور ہوا میں آکسیجن گیس کی موجودگی ہوائی جہاز کے انجن میں موجود ایندھن کو جلانے میں مدد کرتی ہے۔ ہوائی جہاز ہوا کے بغیر گر کر زمین پر ٹوٹ جائے گا۔ اس لیے خلا میں جانے کا دوسرا طریقہ استعمال کیا جاتا ہے۔

راکٹ کو اُڑانے کے لیے ہوائی جہاز کی طرح پروں کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ یہ اوپر اُٹھنے کے لیے اپنی دھکیلنے والی طاقت (Thursting power) استعمال کرتا ہے۔ راکٹ اپنی آکسیجن گیس کی سپلائی خود اپنے ساتھ لیے ہوئے ہوتا ہے۔ اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ یہ اپنا ایندھن خلا میں جلا سکتا ہے جہاں ہوا برائے نام بھی نہیں ہوتی ہے۔

راکٹ اپنے اندر جلتے ہوئے ایندھن کے ذریعے اُڑتا ہے۔ اِس کا ایندھن جلانے پر اُس میں گرما گرم گیسیں بہت ہی زیادہ دباؤ کے تحت پیدا ہوتی ہیں۔ ان گرما گرم گیسوں کو باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا ہے سوائے راکٹ کے پیندے میں ایک چھوٹے سوراخ میں سے بہت ہی تیزی سے اور بہت ہی طاقت سے نکلتی ہوئی گرما گرم گیسیں راکٹ کو اوپر کی طرف دھکیلتی ہیں۔ اس طرح ایک راکٹ آواز کی رفتار سے بھی

زیادہ تیز اُڑتا ہے۔

آپ اپنا راکٹ کا تجربہ اس طرح کر سکتے ہیں۔ ایک غُبارے لے کر اُسے پھُلائیں اور اس کا منہ مضبوطی سے بند کر کے پکڑے رہیں۔ پھر اچانک اس کا منہ چھوڑ دیں اور دیکھیں کہ غبارے کی ہوا اس کے چھوٹے سے منہ سے بہت ہی تیزی سے نکلنے پر غبارے تیزی سے اوپر کی طرف چلا جاتا ہے۔ بس سمجھ لیں کہ غبارے میں ہوا راکٹ کی تیزی سے جلتی ہوئی گیسوں کی طرح ہے۔ جیسے ہی غبارے کی ہوا اس کے منہ سے اچانک تیزی سے نکلتی ہے تو غبارہ مخالف سمت میں اتنی ہی تیزی سے جاتا ہے۔ اب چونکہ آپ کا غبارہ (راکٹ) ایک چھوٹا غبارہ ہے اس لیے وہ زیادہ دور نہیں گیا تھا۔

آپ اکیسویں صدی کے بچے کہلاتے ہو یعنی اکیسویں صدی میں پیدا ہوئے اور پل بڑھ رہے ہو۔ یہ صدی سائنس، تکنیک اور اسپیس (خلا) کی صدی کہلائی گئی ہے کیونکہ اس صدی میں آپ کو جدید چیزیں مثلاً ٹی وی، موبائل، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، جی پی ایس وغیرہ وغیرہ آسانی سے استعمال کرنے کے لیے مل گئی ہیں اور یہ تمام چیزیں خلا میں مصنوعی سیارچوں کے ذریعے کام کر رہی ہیں جو آسمان میں ہوا کے آخری کنارہ پر خلا میں معلق ہیں۔ ان سیارچوں کو بنانے اور معلق کرنے کا کام ہمارے ملک کی تنظیم اِسرو (انڈین اسپیس ریسرچ آرگنائیزیشن) بڑی محنت اور لگن سے دیسی ساخت کے راکٹوں کے ذریعے ہی کر رہی ہے۔ اس تنظیم میں ہیئت دانوں، سائنسدانوں، تکنیکی ماہروں انجینئروں اور بہت سے متعلقہ کارکنوں کی پوری ٹیم رات دن کام کر رہی ہے۔ اسی لیے ہمارا ملک ترقی یافتہ ملکوں کی فہرست میں ہے۔ اس تنظیم نے الگ الگ کاموں کے لیے مختلف سیارچوں کو ہوا کے آخری کنارے پر یعنی خلا میں معلق کردیے ہیں جس کے ذریعے آپ کے ٹیلیفون، موبائل، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، جی پی ایس اور موسم کی پیشن گوئی کرنے، رسل ورسائل اور ہوائی و بحری نیوی گیشن وحفاظت کے کام بہت ہی سستے داموں میں ہو رہے ہیں۔

چاند پر سیارچہ چندریان۔اول اور سیارہ مریخ پر سیارچہ منگل یان بھیجا تھا جس نے وہاں کے بارے میں مکمل جانکاری مہیا کی تھے۔ یہی نہیں ہمارا ملک دوسرے ملکوں کے سیارچے بھی خلا میں پہنچا رہا ہے تاکہ وہ ملک بھی جدید چیزوں کا استعمال کر سکیں۔ ملک روس، امریکہ، یوروپ، کناڈا، چین اور جاپان میں کائنات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے ایک دوڑ سی لگی ہوئی ہے۔ اس لیے آپ کا ملک بھی اس دوڑ میں پیچھے نہیں ہے۔ اِس دوڑ کی وجہ سے روز نئی نئی تکنیک استعمال کے لیے دریافت ہو رہی ہیں اور اس طرح ہر شعبے میں ترقی ہو رہی ہے خاص طور پر میڈیکل میں۔ آپ آج بچے ہیں ہوسکتا ہو کل آپ اپنے ملک کے ہیئت داں، سائنسداں، انجینئر، تکنیکی ماہر، خلاباز ہوں۔ آپ کے ذریعے کوئی نئی اچھے استعمال کی چیز دریافت ہوجائے۔

حال ہی میں اِسرو نے ایک خلائی گاڑی (اِسپیس شٹل) آر ایل وی ٹی ڈی کے نام سے جس کا بار بار استعمال کیا جا سکے بنائی ہے اور 23 مئی 2016 کو صبح 7 بجے سری ہری کوٹا کے مقام پر ستیش دھون اسپیس سینٹر (آندھرا پردیش) سے ایچ ایس۔نہم سولِڈ راکٹ بوسٹر کے ذریعے خلا میں داغی گئی۔ اس کے راکٹ نے اس گاڑی کو آسمان میں 56 کلومیٹر کی اونچائی تک پہنچا کر اس خلائی گاڑی سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ یہاں اس کا کام ختم تھا۔ اب یہ خلائی گاڑی خود اپنے آلات و تکنیک کے ذریعے 9 کلومیٹر مزید اونچائی پر پہنچ گئی یعنی کُل 65 کلو

میٹر تک پہنچنے کے بعد یہ گاڑی واپس بنگال کی کھاڑی میں سری ہری کوٹا اسپیس اسٹیشن سے 450 کلومیٹر دور پانچ کلومیٹر کی ہوائی پٹّی پر بحفاظت ایک جہاز کی طرح اُتر گئی۔ اس گاڑی میں کوئی آدمی نہیں تھا۔ بس یہ تمام خودکار آلات سے لدی ہوئی تھی۔ اس نے زمین سے 65 کلومیٹر کی اونچائی تک پہنچنے اور واپس زمین پر اُترنے میں 770 سیکنڈ صرف کیے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس دیسی ساخت کی بنی ہوئی اسپیس شٹل کی مزید نشو ونما کر کے اس کو ہوا کے آخری کنارے یعنی اسپیس جہاں سے شروع ہوتی ہے 96 کلومیٹر تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس اسپیس شٹل کے ذریعے سیارچوں کو آسانی سے خلا کے دروازے تک پہنچایا جا سکتا ہے اور اس کے ذریعے خرچہ بھی بہت ہی کم ہو جائے گا۔

وِکرم سارا بھائی اسپیس سینٹر، ترونت پورم کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر کے سِوان کے مطابق یہ ایک ہائپرسونک اُڑان (ایچ ای ایکس) کا تجربہ اور ساتھ ہی ساتھ ہوائی پٹّی پر اُترنے کا تجربہ (ایل ای ایکس) تھا یعنی واپسی اُڑان تجربہ (آر ای ایکس) اور اسکریم جیٹ پروپلزن (Scramjet- propulsion) تجربہ (ایس پی ای ایکس)۔ فی الحال تو اس خلائی گاڑی کے تمام تجربات مصنوعی سیارچوں کو خلا میں پہنچانے کے لیے تھے لیکن مستقبل میں یہ خلائی گاڑی خلا باز کو لے جانے کے لیے بھی استعمال کی جائے گی۔ ہمارے ملک کے لیے یہ ایک بہت ہی بڑی کامیابی ہے کیونکہ معاشی اعتبار سے اس گاڑی کے ذریعے خلا میں آنے جانے کی لاگت بہت ہی کم ہو جائے گی۔ اس کے راکٹ میں ایندھن یعنی مائع آکسیجن بھرنے کا خرچہ دو لاکھ سے تین لاکھ ڈالر ہے جبکہ راکٹ کا خرچہ 6 کروڑ ڈالر ہے۔ یہ بالکل ایک ہوائی جہاز کی

طرح ہے۔ ایک ہوائی جہاز کو بنانا اور خریدنا بہت مہنگا ہے لیکن بار بار ایندھن بھرنے کا کام مہنگا نہیں ہے اگر آپ ایسا راکٹ حاصل کر سکتے ہیں جس کو بار بار استعمال کیا جا سکے تو خرچہ سو گُنا کم ہو جاتا ہے۔

اس خلائی گاڑی کی ایک بہت ہی اچھی خصوصیت یہ بھی ہے کہ خلا میں ہائی سُو پر سونِک رفتار سے جاتے وقت اور زمین پر واپس آتے وقت یہ ہوا کی رگڑ کے ذریعے گرم نہیں ہوتی ہے کیونکہ اس پر فائر پروف ٹائلز لگے ہوتے ہیں جو اس کو گرمی کے ذریعے جلنے سے بچاتے ہیں جیسا کہ آپ نے آسمان میں رات کے وقت اکثر شہابے ہوا کی رگڑ سے جلتی ہوئی لکیر جیسے دکھائی دیتے ہیں۔ جس وقت یہ زمین پر واپس آتی ہے تو آگ اس کے ہر طرف ہوتی ہے۔

جب آپ بڑے ہو کر کسی ماہر کے طور پر کام کر رہے ہوں گے ہو سکتا ہے اُس وقت ہندوستانی قدم ہمارے شمسی نظام کے کسی دوسرے سیارہ یا کسی سیارہ کے چاند پر ہوں اور آپ اُن میں سے ہوں۔ (آمین)

■

Mr. Aneesul Hasan Siddiqui
679, Sector - 22B
Gurgaon - 122015 (Haryana)

عبدالناصر

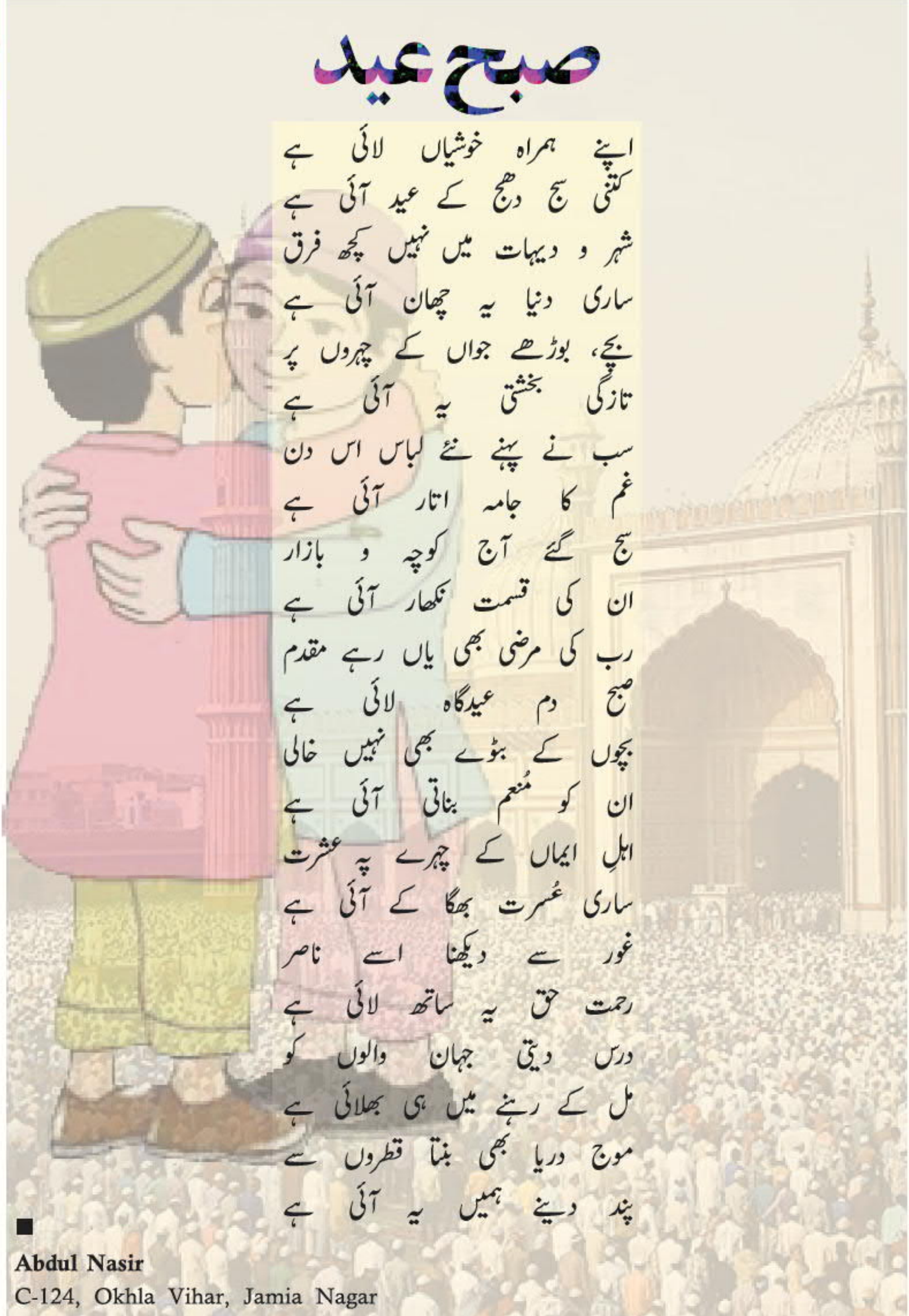

صبح عید

اپنے ہمراہ خوشیاں لائی ہے
کتنی سج دھج کے عید آئی ہے

شہر و دیہات میں نہیں کچھ فرق
ساری دنیا یہ چھان آئی ہے

بچے، بوڑھے جواں کے چہروں پر
تازگی بخشتی یہ آئی ہے

سب نے پہنے نئے لباس اس دن
غم کا جامہ اتار آئی ہے

سج گئے آج کوچہ و بازار
ان کی قسمت نکھار آئی ہے

رب کی مرضی بھی یاں رہے مقدم
صبح دم عیدگاہ لائی ہے

بچوں کے بٹوے بھی نہیں خالی
ان کو مُنعم بناتی آئی ہے

اہلِ ایماں کے چہرے پہ عشرت
ساری عُسرت بھگا کے آئی ہے

غور سے دیکھنا اسے ناصر
رحمت حق یہ ساتھ لائی ہے

درس دیتی جہان والوں کو
مل کے رہنے میں ہی بھلائی ہے

موج دریا بھی بنتا قطروں سے
پند دینے ہمیں یہ آئی ہے

■

Abdul Nasir
C-124, Okhla Vihar, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

محمد سراج عظیم

عید کارڈ

عید کے معنی خوشی کے ہیں اور عید اپنے معنی کے اعتبار سے ہر سال اپنے دامن میں ڈھیروں خوشیاں بھر کر لاتی ہے۔ دل چاہتا ہے ہم اور عید منائیں۔ ہمارے بچپن میں دو چیزیں بہت اہم تھیں ایک عید کے دن سب سے عیدی لینا دوسری عید کارڈ۔ اپنے عزیزوں اور ملنے جلنے والوں کو عید کارڈ بھیجنا۔ اب تو عید کارڈ کا دور ہی ختم ہوگیا۔ اب تو کمپیوٹر، موبائل اور وہاٹس ایپ کا زمانہ آگیا ہے اس لیے کچھ پتہ ہی نہیں چلتا نہ وہ جوش وخروش نہ وہ خوشی اور ولولہ کہ عید کارڈ بھیجنا یا عید کارڈ کا انتظار کرنا۔ ہمارے بچپن میں تو عید کارڈ کی بڑی اہمیت تھی۔

رمضان کے آتے ہی بازاروں کی رونق بڑھ جاتی تھی۔ بہت سی چیزوں کے ساتھ ہر بازار میں عید کارڈ کی بھی دوکانیں ہوتی تھیں کچھ چھوٹی کچھ بڑی، کئی دکانیں تو اتنی بڑی ہوتی تھیں کہ اس میں طرح طرح کے ہزاروں کارڈ بکتے تھے۔

عید کارڈ کے سلسلے میں ایک اہم بات یہ تھی کہ چاہے کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، بوڑھا یا جوان، عورت یا مرد، بہن ہو یا بھائی، امیر یا غریب دور ہو یا پاس سب کو اپنے ملنے جلنے والے رشتہ داروں، دوست احباب کے کارڈ کا انتظار رہتا۔ اس وقت یہ بھی ہوتا تھا کہ اگر کسی کے پاس اپنے رشتہ دار یا ملنے جلنے والے کا کارڈ نہیں آتا تھا تو لوگ ناراض ہوجاتے تھے ایک دوسرے سے شکایتیں ہوجاتی تھیں۔ پہلے رشتوں کی بڑی قدر تھی آپس میں محبتیں اور رواداریاں تھیں لیکن آج اس ترقی یافتہ دور میں اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور خوشیوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آج لوگ اس جانب نظر ہی نہیں کرتے۔ خیر بات عید کارڈ کی چل رہی تھی۔

اس سلسلے میں سب سے اہم کام ڈاکیہ کا ہوتا تھا۔ عید سے تین چار دن پہلے ڈاکیے اپنی سائیکلوں پر بڑے بڑے تھیلوں میں عید کارڈز بھرے ہوئے سب کے گھروں پر بانٹتے پھرتے۔ کچھ ڈاکیے یہ کرتے کہ خاص عید والے دن یا عید سے ایک دن پہلے عید کارڈز بانٹتے۔ ایسا کرنے سے لوگ ان کو عیدی دیتے۔ اس طرح ان کی اچھی خاصی آمدنی ہوجاتی تھی۔ ہاں ایک بات اور اگر کوئی عید کارڈ نہیں بھیج پاتا تو وہ ڈاکخانہ جا کر عید مبارک کا ٹیلی گرام بھیجتا تھا جو اس وقت دو روپیہ کا ہوتا تھا۔ اس سے عید اور عید کارڈ کی اہمیت کا انداز ہوتا ہے۔

عید کارڈ مختلف قسم کے ہوتے تھے۔ کچھ یک رخی ہوتے تھے جن کے ایک طرف خوب صورت تصویر اور دوسری طرف پیغام اور پتہ لکھنے کی جگہ ہوتی تھی۔ یہ پوسٹ کارڈ کہلاتے تھے۔ کچھ کی دو تہیں ہوتی تھیں یہ بیچ سے بڑے ہوتے۔ اندر پیغام چھپا ہوتا اور رنگین تصویر وغیرہ ہوتی۔ کچھ کے اندر الگ سے ایک کاغذ جس پر پیغام چھپا ہوتا تھا وہ چسپاں ہوتا۔ کچھ کارڈوں میں باہری رخ پر تصویر کی جگہ پاکٹ بنی ہوتی تھی جو فوٹو فریم کی طرح ہوتی تھی اس میں لوگ اپنی یا اپنے خاندان والوں کی فوٹو لگا کر بھیج سکتے تھے۔ سب سے اچھے اور مہنگے کارڈ وہ ہوتے تھے جو کٹ ورک والے ہوتے یہ کارڈ تین تہہ والے ہوتے۔ جس تہہ پر کسی مسجد، خانہ کعبہ، گنبد خضرا یا پھولوں کے گلدستے کی تصویر ہوتی اس کی کٹنگ اس طرح کی جاتی کہ جب ان کو کھولا جائے تو وہ تصویر ابھر کر سامنے آجائے۔ کچھ کارڈ سائز میں بہت بڑے ہوتے تھے، کچھ پر خوشبو لگی ہوتی تھی۔ بعد میں میوزیکل کارڈ اور تھری ڈی کارڈز بھی آنے لگے تھے۔

کارڈوں پر عام قسم اور رشتوں کے لحاظ سے تہنیتی پیغامات چھپے ہوتے تھے جو ایک طرح کا فن تھا۔ ان پیغامات کو پڑھ کر طبیعت پر بہت خوش گوار تاثر ہوتا تھا۔ ان میں سے کچھ مثال کے طور پر یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔ جیسے (1) عید کی خوشیاں گلدستے میں سجے مختلف خوش رنگ پھولوں کی مانند ہیں۔ اللہ رب العزت آپ کو پھولوں کی طرح مسکراتا رکھے۔ عید کی مبارک باد قبول فرمائیں۔ (2) ماہِ صیام کے اختتام نے عید کا پروانہ دیا اور اپنوں کی یادوں کو اجاگر کر دیا۔ آج کے دن آپ کی یادیں تازہ ہوئیں۔ عید سعید کی مبارک باد قبول فرمائیں (3) کہکشاں سے تابناک مسکراتی ہوئی عید مبارک ہو۔ اس طرح کی عید آپ ہمیشہ دیکھیں۔ اسی طرح کے بہت سے پیغامات جن کا

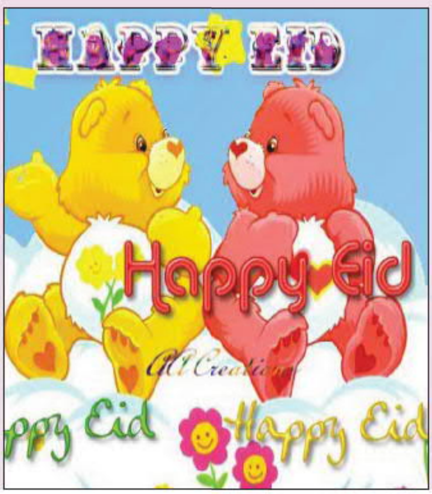

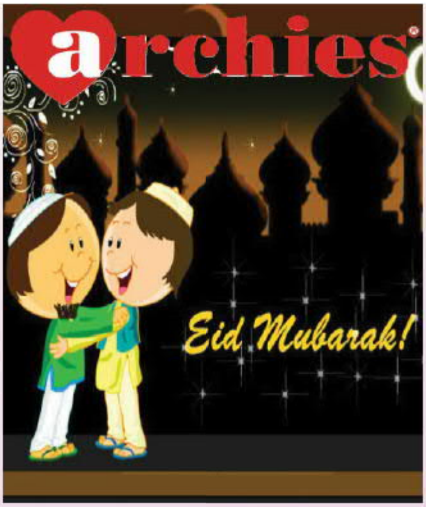

اپنا لطف اور مزہ تھا۔ اس زمانے میں ہندوستان میں دو تین کمپنیاں عید کارڈز بناتی تیں جو ایسٹرن کارڈ (Eastern Cards)، کلاسک (Classic) گلوب آرٹ (Globe Arts) وینس (Venus) کے نام سے تھیں۔ یہ سب کمپنیاں زیادہ تر اردو میں پیغامات چھاپتی تھیں۔ کچھ انگریزی اور ہندی میں بھی چھاپتیں۔ بہت بعد میں آرچیز (Archies) نے بھی بہت بڑے پیمانے پر کارڈ چھاپے ان پر زیادہ تر انگریزی میں پیغام ہوتے اور یہ مہنگے ہوتے تھے۔ Archies کارڈ اب بھی بازاروں میں دستیاب ہیں۔

تہنیتی کارڈ کی ایجاد کب ہوئی۔ سب سے پہلے یہ کس قوم یا ملک نے رائج کیا۔ ان کارڈز کا چلن کب ہوا اس کی ایک دلچسپ کہانی ہے۔ جہاں تک عید کی مبارک بادی کے کارڈوں کے ایجاد ہونے کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں پورے وثوق سے نہیں کہا جا سکتا لیکن ہندوستان میں تہنیتی کارڈوں کا چلن انگریزوں کی دین ہے اور غالبًا انیسویں صدی کے اوائل میں عید کارڈ کی شروعات ہوئی۔ ایک عام خیال ہے کہ بہت پہلے چین کے لوگوں نے اپنے نئے سال کے شروع ہونے پر آپس میں ایک دوسرے کو نئے سال کی مبارک باد دینے کے لیے اس کا استعمال کیا۔ اسی طرح اس وقت کی سب سے ترقی یافتہ قوم مصریوں کے ذریعے کاغذ (Peperus Scrolls) پر پیغامات بھیجنے کے ثبوت ملتے ہیں۔ پندرہویں صدی کے اوائل میں ہاتھ سے بنائے ہوئے کاغذ کے تہنیتی کارڈوں (Greeting Cards) کا یورپ میں کافی چلن تھا۔ اس سلسلے میں سنہ 1400 میں جرمنی کے لوگوں نے پہلی بار لکڑی کے بلاکوں سے چھپے کارڈوں کا استعمال شروع کیا۔ پندرہویں صدی کے وسط تک پورے یورپ میں ہاتھ سے بنے ویلنٹائن کارڈوں کا چلن عام تھا۔ اس زمانے کے ویلنٹائن کارڈز کے نمونے لندن کے برٹش میوزیم میں آج بھی محفوظ ہیں۔

سنہ 1850 تک آتے آتے گریٹنگ کارڈز جو ہاتھ سے بنے ہوتے اور بہت مہنگے اور ذاتی طور پر پیش کیے جاتے تھے ان کا چلن عام ہوگیا تھا۔ چھپائی کی مشینوں، چھپائی کے کاغذ اور چھپائی میں ترقی ہونے کی وجہ سے کارڈز بہت سستے ہوگئے۔ اس کے علاوہ ڈاک کے نظام، ڈاک ٹکٹوں کی ایجاد، ڈاک خرچ کی سستی دروں نے گریٹنگ کارڈز کا چلن بہت زیادہ کردیا۔ طرح طرح کے اور ہر موقعے کے کارڈ مارکیٹ میں آنے لگے۔ اس میں سب سے پہلے لندن میں سنہ 1843 میں کرسمس

کارڈ چھپ کر سامنے آیا جب سر ہینری کول(Sir Henry Cole) نے ایک آرٹسٹ جان کیلکاٹ ہورسلے (John Calcott Horsley) کی خدمات حاصل کیں اور اس سے کارڈ ڈیزائن کرنے کو کہا تاکہ اپنے ملنے جلنے والوں اور رشتہ داروں کو بھیج سکے۔ سنہ 1860 میں مارکس وارڈ اینڈ کمپنی (Marcus Ward & Co.) گڈ آل اینڈ چارلس بینیٹ کمپنی (Goodall and Charles Benett Co.) نے بہت بڑے پیمانے پر کارڈز چھاپنا شروع کیے۔ اس کے لیے ان کمپنیوں نے اس زمانے کے مشہور آرٹسٹوں جیسے کیٹ گرین وے (Kate Greenway) اور والٹر کرین (Walter Crane) کو کارڈز ڈیزائن کرتے اور ایسٹرلیشن کی ذمے داری سونپی۔ سنہ 1930 میں کلر لیتھوگرافی کی ترقی نے کارڈوں کی چھپائی میں انقلاب برپا کردیا۔

سنہ 1940 سے سنہ 1950 تک ایک اور قسم کے کارڈ مزاحیہ کارڈوں کا استعمال شروع ہوگیا جو اسٹوڈیو کارڈز (Studio Cards) کہلاتے تھے۔ 1970 میں ایک چھوٹی سی کمپنی نے دوبارہ استعمال ہونے والے کاغذ کے بنے کارڈ (Recyded paper Cards) مارکیٹ میں شروع کیے۔ سنہ 1980 تک پہنچتے پہنچتے کارڈز کا کاروبار ایک بہت بڑی انڈسٹری بن گئی۔ جہاں ہر موقع اور تیوہار کے لیے کارڈز بازار میں آنے لگے۔ ہال مارک کارڈز (Hall mark Cards) اور امریکن گریٹنگز (American Greetings) دنیا میں کارڈز بنانے والی سب سے بڑی کمپنیاں ہیں۔ ایک اندازے

کے مطابق انگلینڈ میں ہر شخص سال میں تقریباً 55 کارڈز بھیجتا ہے۔ انگلینڈ میں ایک اندازے کے مطابق ہر سال تقریباً ایک کھرب پاؤنڈز کے کارڈز اور امریکہ میں تقریباً ساڑھے چھ کھرب کارڈ جو تقریباً سات کھرب ڈالر کی مالیت کے ہوتے ہیں استعمال کیے جاتے ہیں۔

ایک وقت میں سب سے زیادہ کارڈ جو ایک شخص کو بھیجے گئے وہ کریگ شیر گولڈ (Craig Shergold) تھا۔ یہ ایک ریکارڈ تھا۔ ملکہ وکٹوریہ اور پرنس ایڈورڈ کے گریٹنگ کارڈز وکٹورین (Victorian) اور ایڈورڈین (Edwardian) کرسمس کارڈوں اور ویلنٹائن کارڈوں کا مجموعہ جو انیسویں صدی کے اس وقت کے پبلشروں کے ذریعے چھاپے گئے تھے مانچسٹر میٹروپولیٹن یونیورسٹی (Manchester Metropolitan University) کے لوگوں کے ذریعے لارا سیڈون گریٹنگ کارڈوں کا مجموعہ (Lara Seddon Greeting Cards Collection) کے نام سے جمع کیا گیا کارڈوں کا سب سے بڑا مجموعہ ہے جو تقریباً 32000 گریٹنگ کارڈوں اور 450 ویلنٹائن کارڈوں پر مشتمل ذخیرہ ہے جو اس وقت دنیا کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔

■

M. Siraj Azeem
A-47, Zakir Bagh, Opp. Surya Hotel
Okhla Road, New Delhi - 110025

سیدہ فاطمہ زہرہ

کمپیوٹر کی اہمیت اور آنکھوں کی حفاظت

آج کا دور سائنسی دور ہے۔ وقت کے بدلتے تقاضوں اور مسابقت کی دوڑ نے والدین پر ذمہ داریوں کا بوجھ بڑھا دیا ہے اس لیے آج کے ترقی یافتہ دور میں بچوں کو ان آلات سے محروم رکھنا عقلمندی نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ انھیں تمام سہولتیں بھی دیں لیکن ان کے مشاغل اور سرگرمیوں پر نظر رکھیں۔

بلاشبہ کمپیوٹر جدید دور کی اہم ایجاد ہے۔ پوری دنیا آج کمپیوٹر کا استعمال زندگی کے تمام شعبوں میں کر رہی ہے۔ کمپیوٹر کی دو اہم قسمیں ہیں۔ ڈیجیٹل اور انالاگ ڈیجیٹل کمپیوٹر عام طور پر صنعت، تجارت، حکومت کے انتظامات، بینکنگ، انجینئرنگ اور زندگی کے مختلف شعبوں میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ جبکہ انالاگ کمپیوٹر بنیادی طور پر سائنس اور صنعتی مقاصد کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں۔ کمپیوٹر بورڈ کی مدد سے معلومات بھردی جاتی ہیں اور وقت ضرورت اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اکیسویں صدی، صنعتی، معاشی، تجارتی، تعلیمی، طبی، سائنسی اور ٹکنالوجی کی ترقی میں تیز رفتاری کی صدی ہے۔

کمپیوٹر میں موجود سہولیات کو دیکھتے ہوئے اس کا استعمال عام فہم بن گیا ہے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والوں اور تحقیقی کام انجام دینے والوں کے لیے کمپیوٹر ایک بہترین معلم ہے۔ طب کے طالب علموں کو امراض کی تشخیص اور ان کے علاج کے متعلق ضروری معلومات دیتا ہے۔ انجینئرنگ کے طلباء کے لیے مددگار ثابت ہوتا ہے۔

ریاضیات، طبیعیات، فلکیات، کیمیاء، حیاتیات، نباتیات، حیوانیات، سیاسیات وغیرہ علوم میں کمپیوٹر کی کارکردگی قابل ستائش ہے۔ اب دنیا بھر کے کمپیوٹرس کو انٹرنیٹ کے

ذریعہ جوڑ دیا گیا ہے اور ہم گھر بیٹھے اپنے کمپیوٹر پر دنیا کی کسی بھی لائبریری میں پائی جانے والی نایاب کتاب حاصل کر سکتے ہیں۔

غرض ہر شعبہ میں کمپیوٹر استعمال کیا جا رہا ہے اور وہ ہماری زندگی کا لازمی جز بن گیا ہے۔ اس لیے کمپیوٹر کے استعمال اور اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن بچوں کیا آپ کو معلوم ہے کمپیوٹر استعمال کرتے وقت کیا احتیاط کرنی چاہیے کہ آپ کی آنکھوں اور دماغ کا نقصان نہ ہو۔

- جب آپ کمپیوٹر استعمال کریں تو اس بات کا خیال رکھیں کہ اس کا مانیٹر یعنی اسکرین آپ کے بہت قریب نہ ہو۔
- آپ جس کرسی پر بیٹھیں وہ اونچی ہو اور آپ کا پورا چہرہ اسکرین سے اوپر ہو تا کہ نقصان دہ شعاعیں آپ کی آنکھوں پر نہ پڑیں۔
- کمپیوٹر کا استعمال مسلسل نہ کریں۔
- اگر آپ دیر تک کمپیوٹر پر کام کر رہے ہیں تو پھر بیچ میں پانچ یا دس منٹ وقفہ ضرور دیں اور اس میں اپنی آنکھوں کو اچھی طرح دھولیں۔
- تھوڑی دیر بند کمرے سے باہر نکل کر کھلی ہوا میں سانس لیں۔ اس سے آپ کی آنکھیں جلد نہیں تھکیں گی۔
- اگر آپ کام کے دوران اٹھ نہیں سکتے تو اسکرین سے تھوڑی تھوڑی دیر بعد نظر ہٹا کر ادھر ادھر ضرور دیکھیں اور دور پڑی ہوئی چیزوں کو دیکھیں:
- کمرے کے پنکھے یا ایئر کنڈیشنز کی ہوا سیدھی آنکھوں میں لگے تو اپنی جگہ یا رخ بدل لیں تا کہ آپ کی آنکھیں خشک نہ ہوں۔

- کمپیوٹر کے استعمال کے دوران زیادہ پانی پئیں اس سے آپ کی آنکھوں پر سوجن نہیں آئے گی۔
- وقفہ وقفہ سے آنکھوں کو دبا کر گول گھمائیں اس سے آنکھوں کی ورزش ہوگی۔
- اس طرح آئی پیڈز یا اسمارٹ فونز کا استعمال بھی نقصان دہ قرار دیا گیا ہے۔
- امریکی ماہرین نے خبردار کیا ہے آئی پیڈز سے کھیلنے والے بچے اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتے۔
- اسمارٹ فونز کا استعمال بچوں میں ضبط قائم نہیں ہونے دیتا۔

اس لیے ان الیکٹرانک آلات کے استعمال کے وقت احتیاط ضروری ہے۔

■

Syeda Fatema Zohra
Principal : Dr. Zaker Husain Junior College of Arts, Science & Commerce, Shahganj Aurangabad - 431001 (Maharashtra)

مناظر عاشق ہرگانوی

علم

علم وہ سرمایہ ہے انسان کا
جس سے آساں ہوتا ہر اک مسئلہ

علم ہے وہ راہ بر، وہ رہ نما
جس سے ہم پاتے ہیں منزل کا پتہ

علم ہی بیشک ہے ایسی روشنی
جس سے ہوجاتی ہے روشن زندگی

زندگی کو علم دیتا ہے سنوار
علم مفلس کو بنا دے تاجدار

علم ہے انسان کا وہ اسلحہ
دشمنوں کا جس سے ہوتا خاتمہ

علم سے ہوتا ہے جو آراستہ
پاتا وہ اعلیٰ مقام و مرتبہ

علم سے ہم جانتے اچھا برا
علم دکھلاتا ہے سیدھا راستہ

علم ہی سے آتی ہے شائستگی
علم سے اللہ کی پہچان بھی

علم سے ہے دین اور ایمان بھی
علم ہو تو پڑھتے ہم قرآن بھی

علم ہی سے زندگی ہے کامیاب
علم سے ہوتا نہیں کوئی خراب

علم بے شک فضل ہے اللہ کا
جو برائی سے ہمیں لیتا بچا

■

Dr. Manazir Ashiq Harganvi
Kohsar, Bhikanpur-3
Bhagalpur - 812001 (Bihar)

■ ساحر کلیم

چڑیا کی بریانی

چڑیا بولی کاگا بھائی
کوّا بولا چڑیا باجی!
آج پکاؤں گی بریانی
اک سالم مرغی لانا
ادرک، لہسن اور دہی بھی
تازہ، ہرا دھنیا لانا
کھڑا مسالہ تھوڑا تھوڑا
گاجر، ککڑی، مولی لانا
کوا تھیلی لے کر بھاگا
چڑیا نے بریانی پکائی

تم نے کبھی بریانی کھائی
کیا ہوتی ہے یہ بریانی؟
تم کو کھلاؤں گی بریانی
چاول باسمتی بھی لانا
مرچیں ان کے ساتھ ہری بھی
پودینہ کو بھول نہ جانا
رنگ بھی کھانے والا تھوڑا
سودا لے کر جلدی آنا
لے کر وہ سب سودا آیا
بریانی دونوں نے کھائی

■

Sahir Kaleem
India Gas Works, Sir Sayyad Ahmad Chowk
Sillod, Aurangabad - 431112, Maharastra

محمد عمر فاروق

دیش کے سر کو اونچا کریں گے

پڑھ لکھ کر ہم آگے بڑھیں گے — دیش کے سر کو اونچا کریں گے
دیش مرا تو ہندوستاں ہے — بس رہا اس میں سارا جہاں ہے
اس میں ہیرے موتی جڑیں گے — پڑھ لکھ کر ہم آگے بڑھیں گے
دیش کے سر کو اونچا کریں گے — نظر بد جو اس پہ پڑے گی
پل میں ہوکر خاک رہے گے — ہرگز دشمن سے نہ ڈریں گے
پڑھ لکھ کر ہم آگے بڑھیں گے — دیش کے سر کو اونچا کریں گے
دیش پہ قرباں ہوگئے ہیں جو — نام جہاں میں کر گئے ہیں وہ
پیارے وطن! ہم تجھ پہ مٹیں گے — پڑھ لکھ کرہم آگے بڑھیں گے
دیش کے سر کو اونچا کریں گے — ڈالی ڈالی بول رہی ہے
ظلم کی نیا ڈول رہی ہے — مات ستم کو دے کے رہیں گے
پڑھ لکھ کر ہم آگے بڑھیں گے — دیش کے سر کو اونچا کریں گے
مل جل کر جو قدم بڑھائیں — اپنی مرادیں سب ہیں پائیں
دشمن اپنے آپ ڈریں گے — پڑھ لکھ کر ہم آگے بڑھیں گے
دیش کے سر کو اونچا کریں گے

Mohd Umar Farooq
Bara Khara, Main Road
Malerkotla - 148023 (Punjab)

جوابات

بوجھو تو جانیں

✪

(1) شیر
(2) بلّی
(3) کتا
(4) بندر
(5) بکری
(6) بیل
(7) چیتا
(8) ہرن
(9) گدھا
(10) ہاتھی

☯

(1) ربر
(2) کمپاس
(3) پین
(4) شاپنر
(5) کتاب
(6) کاپی
(7) کرسی
(8) ٹیبل
(9) قلم
(10) بیگ

✠

(1) کوا
(2) مینا
(3) چیل
(4) بگلا
(5) کوئل
(6) مرغا
(7) الّو
(8) گدھا
(9) کبوتر
(10) بلبل

مترجم: انیس الدین ملک

ایک یہودی کیمیاداں نے اپنا آبائی وطن دوبارہ حاصل کیا

یہودی لوگ اسرائیلی قبیلے کی اولاد ہیں جو سیکڑوں سال قبل فلسطین میں آباد تھے۔ اس لیے ان کی نسل کی ایک نہایت لمبی تاریخ ہے۔ ایک یہودی کیمیاداں کے متعلق ایک کہانی کا آغاز حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے تقریباً چھ سو برس پہلے شہر یروشلم سے ہوتا ہے۔ جب شہر مضبوط دیواروں سے گھرا ہوا تھا اور اس کی فصیل کے اندر بادشاہ سلیمان کا مندر تھا۔ یہ مندر یہودی مذہب کا مرکز تھا اور اس کی موجودگی کی وجہ سے یروشلم ایک مقدس شہر بن گیا تھا۔

526 قبل مسیح میں بابل (مسوپٹامیہ کا ایک شہر ہے) کے بادشاہ نیبوشادنظر نے یروشلم پر قبضہ کرکے اسے تباہ کر دیا۔ دورِ جدید کے چند فاتحین کی طرح اس نے بہت سے شہریوں کو غلام بنا کر بابل بھجوادیا۔ تقریباً 50 سال بعد جب ایران کے بادشاہ سائرس نے بابل پر قبضہ کیا تو اس نے ملک بدر کیے گئے بہت سے لوگوں کو اور ان کی اولادوں کو اس کی اجازت دے دی کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے وطن واپس چلے آئیں۔ بہت سے لوگوں نے ایسا کیا اور نیمیاہ کی قیادت میں اجڑے شہر میں بس گئے۔

نیمیاہ نے جلد ہی شہر کو دوبارہ تعمیر کرانا شروع کر دیا۔ اس نے شہر کی فصیلیں دوبارہ بنوائیں۔ بادشاہ سلیمان کا مندر بھی اپنی اصلی حالت میں واپس لایا اور دوبارہ یہودی طرزِ زندگی اور عبادت کا طریقہ لوٹ آیا۔ یروشلم کا شہر ایک بار پھر مقدس شہر بن گیا اور اگلے پانچ سو سال تک نیمیاہ بجا طور پر اپنی نسل کا

سب سے بڑا آدمی سمجھا جاتا رہا۔

70 عیسوی میں یروشلم پھر تباہ ہو گیا اور اس بار رومن کے ذریعے ایک بار پھر لوگوں کو بے گھر کر دیا گیا۔ اس بار فاتحین نے ان لوگوں کی نقل و حرکت کا بندوبست نہیں کیا۔ یہودیوں کو گھروں سے نکال دیا گیا اور یوں ہی چھوڑ دیا گیا کہ وہ خود ہی کہیں رہنے کی جگہ تلاش کر لیں۔ اس زمانے سے آنے والے وقت تک یہ دنیا میں ہر جگہ منتشر ہو گئے۔ ایک نسل جو بغیر کسی وطن کے تھی لیکن بغیر اس امتیاز کے کہ یہودیوں کی جماعت کہاں بسی، یہ اپنے وطن کے مذہب کے وفادار رہے۔ سیکڑوں سالوں تک انھوں نے اپنے مشترکہ ادب اور زبان کو ایک نسل کی شکل میں یکجا رکھا۔

اس زمانے میں کچھ یہودی اب بھی یروشلم کو اپنا مقدس مقام سمجھ کر اس پر نظر رکھتے تھے اور اس امید پر تھے کہ ایک نہ ایک دن وہ ایک قوم کی حیثیت سے فلسطین میں ایک بار پھر رہ سکیں گے جو ان کے پرکھوں کا وطن تھا۔ انیسویں صدی کے آخر میں یہودیوں کا ایک طبقہ جو اپنے آپ کو Zionist صیہونی کہتا تھا، اس مقصد کے لیے جمع ہوئے کہ فلسطین میں یہودیوں کے لیے ایک قومی ملک قائم کریں حالانکہ سارے یہودی اس کے حق میں نہیں تھے۔

18-1914 میں پہلی جنگ عظیم کے دوران یہودی اس ملک کے لیے لڑے جس ملک میں وہ رہ رہے تھے۔ یہ کہانی ایک یہودی کیمیاداں کے بارے میں ہے جس نے برطانیہ کی مدد کی۔ باب 21 کی کہانی ایک اور کیمیاداں کے بارے میں ہے جس نے جرمنی کی مدد کی تھی۔

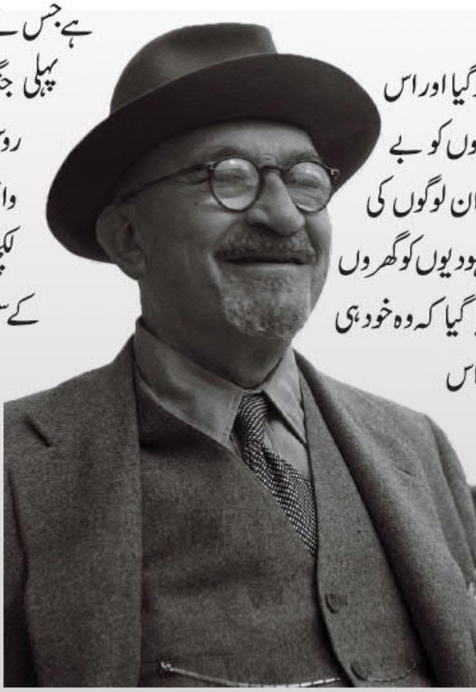

پہلی جنگ عظیم کے آغاز میں ایک سفید روس کا یہودی تھا جس کا نام چم وائز مین تھا۔ یہ مانچسٹر یونیورسٹی میں لکچرر تھا جہاں وہ مصنوعی ربر بنانے کے سلسلے میں تجربات کر رہا تھا۔ وہ ایک کٹر صیہونی تھا اور اس نے صیہونی تحریک کی تبلیغ میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا اور اسے ایسے سائنٹفک کام کے ذریعے صیہونی تحریک کو فروغ دینے کا زبردست موقع ملا۔

اس کا کام اسیٹون پر تھا۔ اسیٹون ایک رقیق ہے جو بہت سی اشیا کو گھولتا ہے اور اس لیے اسے بہت سی اشیا بنانے میں کام میں لاتے ہیں۔ جنگ کے زمانے میں اس کی زبردست مانگ تھی۔ کیونکہ یہ کورڈائٹ بنانے میں کام آتا تھا۔ کورڈائٹ ایک دھماکہ خیز اشیا ہے جو رائفل کی گولیوں اور گولوں کے بنانے میں استعمال ہوتی ہے 1914 تک اسیٹون بنانے کا عام طریقہ لکڑی کو بند برتنوں میں (تاکہ ہوا سے تعلق نہ رہے) گرم کر کے نکلی ہوئی ابخرات کو جمع کرنا تھا۔ ان ابخرات میں اسیٹون ہوتا ہے۔ اسیٹون بنانے کے لیے لکڑی کی ایک بڑی مقدار کی ضرورت ہوتی تھی۔

برطانوی جزائر میں صرف چند بڑے جنگل رہ گئے تھے اس لیے جنگ سے قبل تمام لکڑی کو اس رقیق کو بنانے کے لیے درآمد کیا جاتا تھا لیکن جنگ کے زمانے میں جہاز رکھنے کی جگہ بہت بیش قیمت ہوتی ہے۔ خاص طور سے جبکہ جہازوں کے

ذریعے لایا ہوا سامان دشمنوں کے ذریعے تلف ہوجاتا ہے۔ جنگ کے زمانے کی جہاز رانی کی اس دشواری سے بچنے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ لکڑی کی بجائے کسی اور شے سے اسیٹون بنایا جائے اور وہ شے برطانوی جزائر میں آسانی سے دستیاب بھی ہوسکے۔

ڈاکٹر وائزمین نے 1910 میں ایک اس طرح کا طریقہ دریافت کیا تھا گرچہ وہ مصنوعی ربر بنانے کے سلسلے میں تجربات کررہا تھا۔ ان تجربات سے اسے یہ امید تھی کہ وہ ایسے جراثیم پالے گا جو شکر کو ایسی شے میں تبدیل کردیں گے جو ربر میں تبدیل ہوجائے گی۔ وہ اس میں تو کامیاب نہیں ہوا لیکن اس نے اتفاقاً ایک ایسا جراثیم دریافت کرلیا جو شکر کو خالص اسیٹون میں تبدیل کردیتا تھا۔

کیونکہ اسیٹون کو مصنوعی ربر میں تبدیل نہیں کرسکتے تھے اس لیے وائزمین اور اس کے پروفیسر نے اس اتفاقی دریافت کو زیادہ اہمیت نہیں دی، اور پروفیسر نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اس شے کو سنک میں پھینک دے۔ خوش قسمتی سے وائزمین تجربے کی تفصیلات میں بھول گیا۔

1914 میں جب جنگ چھڑی تو جنگ کے دفتر نے ایک عرض داشت بھیجی جس میں انھیں دعوت دی کہ وہ دفاعی دریافتوں کے متعلق اپنی رپورٹ بھیجیں۔ وائزمین نے اسیٹون کے بنانے کے طریقے کے متعلق رپورٹ کیا۔ لیکن کافی عرصے تک اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ جنگ کی شروعات کے دوسال بعد اسیٹون کی کمی کا مسئلہ کافی اہم ہوگیا۔ جہاز رانی کی سہولت مہیا کرنا مشکل ہوگیا اور کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ لکڑی سے نکالا گیا اسیٹون تشفی بخش حد تک خالص نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے اس سے کورڈائٹ بنانا ممکن نہیں تھا۔ یہ خیال فاک لینڈ جزائر کی لڑائی کے بعد خاص طور سے تقویت پا گیا۔ اس لڑائی میں برطانوی جہازوں سے پھینکے گئے گولے نشانہ سے پہلے ہی اس لیے پھٹ گئے کہ اس میں کورڈائٹ خالص نہیں تھا۔ جنگ کے ابتدائی زمانے میں ڈاکٹر وائزمین سے کہا گیا کہ شکر

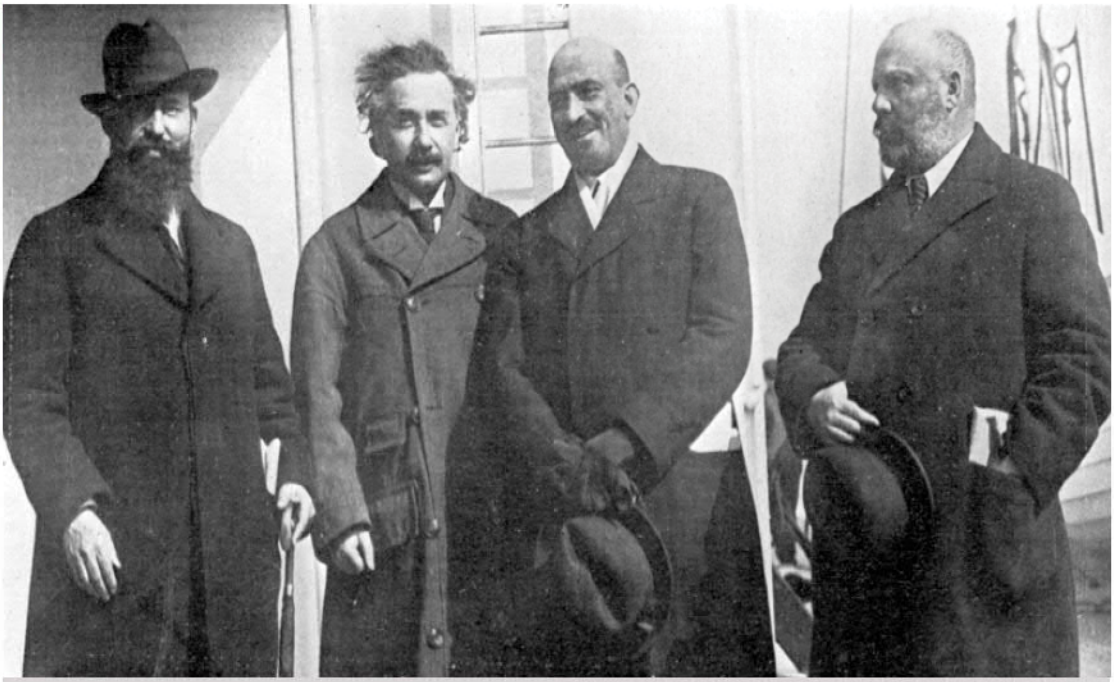

سے بڑے پیمانے پر اسیٹون بنانے کی ذمے داری لے لیں۔

اس زمانے میں برطانوی جزائر بڑی مقدار میں خام شکر پیدا نہیں کررہے تھے۔ اس کی بیشتر مقدار امریکہ کے گنوں کی فصل سے یا یورپ کے چقندر سے حاصل کی جاتی تھی۔ پھر بھی برطانیہ میں گیہوں، جو، جئی اور آلو کافی مقدار میں پیدا ہوتا تھا۔ ان ساری اشیا میں نشاستہ ہوتا ہے جس کو بڑی آسانی سے شکر میں تبدیل کر سکتے ہیں جو کہ اسیٹون کو بڑے پیمانے پر بنانے کے لیے موزوں تھی۔

1916 میں وائزمین کو مسٹر وانسٹن چرچل نے ایڈمیرالٹی میں ملاقات کے لیے بلایا۔ کچھ سالوں کے بعد وائزمین نے اقرار کیا کہ وہ انٹرویو میں مسٹر چرچل کے جس پہلے جملے سے گھبرا گیا۔ وہ تھا "ہاں تو ڈاکٹر وائزمین! ہمیں تیس ہزار ٹن اسیٹون کی ضرورت ہے۔ کیا آپ بنا سکتے ہیں؟" اس وقت وائزمین نے صرف اتنا اسیٹون بنایا تھا کہ وہ ایک چائے کے پیالے کو بھر سکے۔ تجربہ گاہ میں اتنے بڑے پیمانے پر اسیٹون بنانے میں جو پریشانیاں اور دشواریاں آئیں گی وہ اس سے اچھی طرح واقف تھا۔

مسٹر لائڈ جارج جو وزیرِ اصلاحات کے چیرمین تھے اور جو وائزمین کا نام مدد دینے والوں کی فہرست میں شامل کرنے میں بہت حد تک ذمے دار تھے، نے بھی کیمیاداں کا انٹرویو لیا۔ ڈاکٹر وائزمین محتاط تھے۔ انھوں نے اقرار کیا کہ گرچہ انھوں نے تجربہ گاہ میں اسیٹون تیار کیا تھا لیکن انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ اتنے بڑے پیمانے پر اسیٹون بنانے کے لیے انھیں کچھ وقت درکار ہوگا۔ انھوں نے لائڈ جارج سے پوچھا کہ وہ کتنا وقت دے سکتے ہیں۔ لائڈ جارج نے جواب دیا "میں آپ کو زیادہ عرصہ نہیں دے سکتا اس لیے کہ یہ بہت اہم ہے۔" وائزمین نے جواب دیا "میں اس کام میں دن رات لگ جاؤں گا۔"

انھیں Bronley by Bow میں Nicholson gin distillery کو استعمال کرنے کی اجازت مل گئی۔ بہت ساری دشواریوں کے بعد اس نے ایک طریقہ ڈھونڈ نکالا جس سے ایک وقت میں شکر سے آدھا ٹن اسیٹون بنایا جاسکتا تھا اور شکر کو مکا سے بناتے تھے۔

اس نے اور بہت سی ڈسٹلریز کو اپنے قبضے میں کر لیا اور ایک نئی ڈسٹلری بھی بنوائی۔ جلد ہی کارخانے تقریباً نصف ملین ٹن مکا کو استعمال کر رہے تھے۔ اس پوری مقدار کو امریکہ سے جہازوں کے ذریعے درآمد کیا جاتا تھا کیونکہ یہ لکڑی کے مقابلے کم جگہ لیتی تھی۔

لیکن جنگ کے اس موڑ پر جرمن کی یونٹ نے ہمارے بہت سے جہازوں کو تباہ کر دیا جس کے نتیجے میں مکا کی بجائے دوسری اشیا کا استعمال ناگزیر ہوگیا۔ اشیا جن میں نشاستہ ہوتا ہے اس مقصد کے لیے بچائی جاسکتی تھیں اور اس کی فراہمی کے لیے برطانوی بچوں سے کہا گیا کہ وہ شاہ بلوط کے پھل جمع کریں جن سے شکر آسانی سے بنائی جاسکتی تھی۔ اس سے بہت پہلے حکومت نے کنیڈا اور امریکہ میں اسیٹون کی فیکٹریاں قائم کرنے کا فیصلہ کیا جہاں مکا اور اس قسم کا دوسرا اناج کافی مقدار میں فراہم تھا۔ ہندوستان میں بھی فیکٹریاں قائم کی گئیں جہاں نشاستہ چاول سے حاصل کیا جاتا تھا۔ لڑائی کے خاتمے سے پہلے اتحادی فیکٹریاں خالص اسیٹون بنا رہی تھیں جو لڑائی کی تمام ضرورتوں کے لیے کافی تھا۔

اس وقت تک وائزمین کے سائنسی کارناموں کی وجہ سے اس کا ملک کے پُراثر سیاستدانوں سے گہرا ربط قائم ہوگیا۔ یہ سچ ہے کہ جنگ سے قبل وہ مسٹر بالفور سے مل چکا تھا جو جنگ کے زمانے میں خارجی سکریٹری تھے۔ لیکن یہ جان پہچان بہت معمولی تھی۔ 1916 میں وائزمین اور بالفور پھر ملے اور یہ ملاقات سرکاری طور سے اسیٹون کی پیداوار کے سلسلے میں تھی۔ انٹرویو کے آخیر میں بالفور جو جانتا تھا کہ وائزمین کو صیہونی تحریک میں گہری دلچسپی ہے، یہودیوں کے مسائل کے بارے میں گفتگو کرنے لگا اور بات کچھ اس طرح ختم کی ''ڈاکٹر وائزمین! آپ جانتے ہیں کہ اگر اتحادی یہ جنگ جیت لیتے ہیں تو آپ کو آپ کا یروشلم مل سکتا ہے۔''

چند ماہ بعد وزیر اسلحہ لائڈ جارج نے وائزمین کو اسیٹون کو بڑے پیمانے پر بنانے کے سلسلے میں اس کی کاوشوں کی کامیابی پر مبارکباد بھیجی، اور کہا ''آپ نے ملک کے لیے ایک نمایاں خدمات انجام دی ہے۔ میں وزیر اعظم سے کہوں گا کہ وہ بادشاہ سلامت سے سفارش کریں کہ آپ کو کوئی اعزاز بخشا جائے۔'' اس پر وائزمین نے جواب دیا ''مجھے اپنے لیے کچھ نہیں چاہیے'' اس پر لائڈ جارج نے پھر لکھا۔ ''آپ کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟'' تب وائزمین نے بلا جھجک جواب دیا ''ہاں! میں

آپ سے کہوں گا کہ آپ میری قوم کے لیے کچھ کریں۔'' اس نے اس کی تشریح کی اور کہا کہ وہ ایک Zionist ہے اور اس لیے جذباتی طور سے اس کی امید کرتا ہے کہ جنگ کے بعد فلسطین یہودیوں کو ان کے قومی گھر کے طور پر دے دیا جائے گا۔

لائڈ جارج اس سے بہت متاثر ہوا لیکن اس وقت وہ یہودیوں کی مدد کے سلسلے میں کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن اس نے وائزمین کے سائنسی کارناموں پر تبادلہ خیال کیا اور ملاقات کے وقت بالفور بھی موجود تھا جو سائنسی معاملوں میں دلچسپی رکھتا تھا۔ جلد ہی یہودی کیمیا داں اور خارجی سکریٹری کا قریبی گہرا رابطہ قائم ہوگیا۔ اس وقت تک کہ لائڈ جارج وزیراعظم نہ ہوگیا۔ اس سلسلے میں بہت تھوڑی ترقی ہوئی۔ لیکن اس کے وزیراعظم ہونے کے بعد مشہور یہودی لیڈروں سے طویل گفت وشنید کے بعد نومبر 1917 میں ''بالفور اعلان'' کی توثیق ہوئی جس کے مطابق ''بادشاہ سلامت کی حکومت اس کے حق میں ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کے لیے ایک قومی گھر بنایا جائے اور اس حق کو حاصل کرنے کے لیے حکومت پورا تعاون دے گی۔

یہ اعلان تمام اتحادی طاقتوں کو معلوم ہوا اور انھوں نے تھوڑے عرصے کے بعد اس کی توثیق کردی۔

پہلی جنگ عظیم سے پیشتر فلسطین ترکوں کے قبضے میں تھا جنگ میں وہ برطانیہ اور اس کے حمایتیوں کے خلاف لڑے۔ 1917 آخر میں جنرل النبی نے جو مشرق وسطیٰ میں برطانوی فوجوں کے افسر اعلیٰ تھے۔ ترکوں کے خلاف ایک نہایت

کامیاب حملہ کیا۔ اس کی فوجیں اتنی تیزی سے آگے بڑھیں کہ ترکوں کو اس کا موقع نہیں ملا کہ وہ یروشلم کو تباہ کر دیں۔ اس طرح برطانوی سائنسدانوں کے اعلان کی توثیق کے ایک ہفتے بعد ہی النبی کا سالم یروشلم میں فاتحانہ داخل ہوا۔ اتحادی ملکوں میں رہنے والے یہودی اب بے خطر اپنے گھر لوٹ سکتے تھے۔ پس ایک برطانوی حکومت سے منظور شدہ کمیشن جس کی قیادت وائزمین کر رہا تھا، فلسطین بھیجا گیا تا کہ وہاں جا کر اعلان سے پیدا شدہ مسائل کا مشاہدہ کرے۔

1917 عیسوی کے بعد پہلی بار حالات اتنے سازگار ہو گئے کہ یہودی قوم دوبارہ فلسطین میں اپنا قومی گھر تعمیر کر سکے۔ 1920 تک ہزاروں یہودی وہاں آباد ہو گئے۔ زیادہ سے زیادہ زمین کو کاشت میں لایا گیا۔ صنعتیں قائم کی گئیں اور ایک یونیورسٹی قائم ہوئی۔ یہ کام آسان نہیں تھا کئی ناخوشگوار واقعات کے بعد 1948 میں فلسطین کا نیا ملک وجود میں آیا۔ اس کا نام اسرائیل رکھا گیا اور 1949 میں اس کی پارلیمنٹ کی پہلی میٹنگ میں ڈاکٹر وائزمین کو اسرائیل کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔ یہی اس کا بجا انعام تھا۔

لائڈ جارج نے اس گفت و شنید کا سہرا وائزمین کو بخشا جس میں اس نے نمایاں حصہ لیا اور جو اعلان کا سبب بنی۔ اس کے مطابق اسیٹون بنانے کے سلسلے میں امتیازی کارنامے نے اس کا تعلق براہِ راست خارجی سکریٹری سے کرا دیا۔ یہ ایک آپسی میل جول کی شروعات تھی جس کے نتیجے میں مشہور بالفور اعلان ظہور میں آیا۔ جو صیہونی تحریک کا منشور تھا۔ اس طرح ڈاکٹر وائزمین نے اپنی دریافت کے ذریعے نہ صرف جنگ جیتنے میں مدد کی بلکہ دنیا کے نقشے پر اپنا ایک مستقل نقش چھوڑ دیا۔

وائزمین کی مدد یقینی طور پر عظیم تھی لیکن درحقیقت دوسرے مشہور یہودیوں نے بھی حکومت پر دباؤ ڈالا کہ فلسطین ان کی قوم کو لوٹا دیا جائے۔ ایک سائنسداں کو اس کے ممتاز کارنامے پر انعام دلانے کے علاوہ بھی اس اعلان کی بہت سی دوسری وجوہات تھیں۔ جنگ سے پہلے ہی کچھ برطانوی سیاستدانوں نے صیہونیت سے اپنی ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ لائڈ جارج بھی یہودیوں کی ایک نسل کی حیثیت سے عزت کرتا تھا۔ جنگ کے زمانے میں یہ ہمدردی اور بھی بڑھ گئی۔ اس کے علاوہ 1917 تک بہت سے اتحادی سیاستدانوں کو غیر جانبدار ملکوں میں موجود یہودیوں کی جنگ کے سلسلے میں حمایت کی اہمیت کا احساس ہوا۔ خاص طور سے امریکہ میں موجود یہودیوں کی ایک بڑی آبادی کا جنگ میں اتحادیوں کی حمایت کرنا۔ اس کے علاوہ لائڈ جارج اور دوسرے سیاستدانوں کو یہ یقین تھا کہ فلسطین میں یہودیوں کی ایک دوست آبادی نہر سوئز میں حفاظت سے جہازرانی کی ضامن ہوگی۔

اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ وائزمین کے اسیٹون کو بڑے پیمانے پر بنانے کے سائنسی کارناموں نے اسے ''دربار میں ایک دوست'' دیا۔ اس کی خارجی سکریٹری مسٹر بالفور سے دوستی، یہودیت کے لیے ایک بہت ہی مناسب موقع پر ہوئی اور وائزمین نے اس کا بہترین فائدہ اٹھایا۔

لائڈ جارج کے یہ الفاظ ایک یہودی کیمیاداں اور سیاستداں کی کہانی کے آخر میں مناسب طریقے سے چسپاں ہوتے ہیں۔ ''صیہونیت کا دوبارہ تعمیر ہونا صرف ایک انعام ہے جو اس نے مانگا اور اس کا نام اسرائیل کے بچوں کی دلربا اور تخلیقی کہانیوں میں نیمیاہ کے ساتھ لیا جائے گا۔''

(سائنس کی کہانیاں)
ماخذ: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

شیریں نیازی

کوئل کیوں گاتی ہے

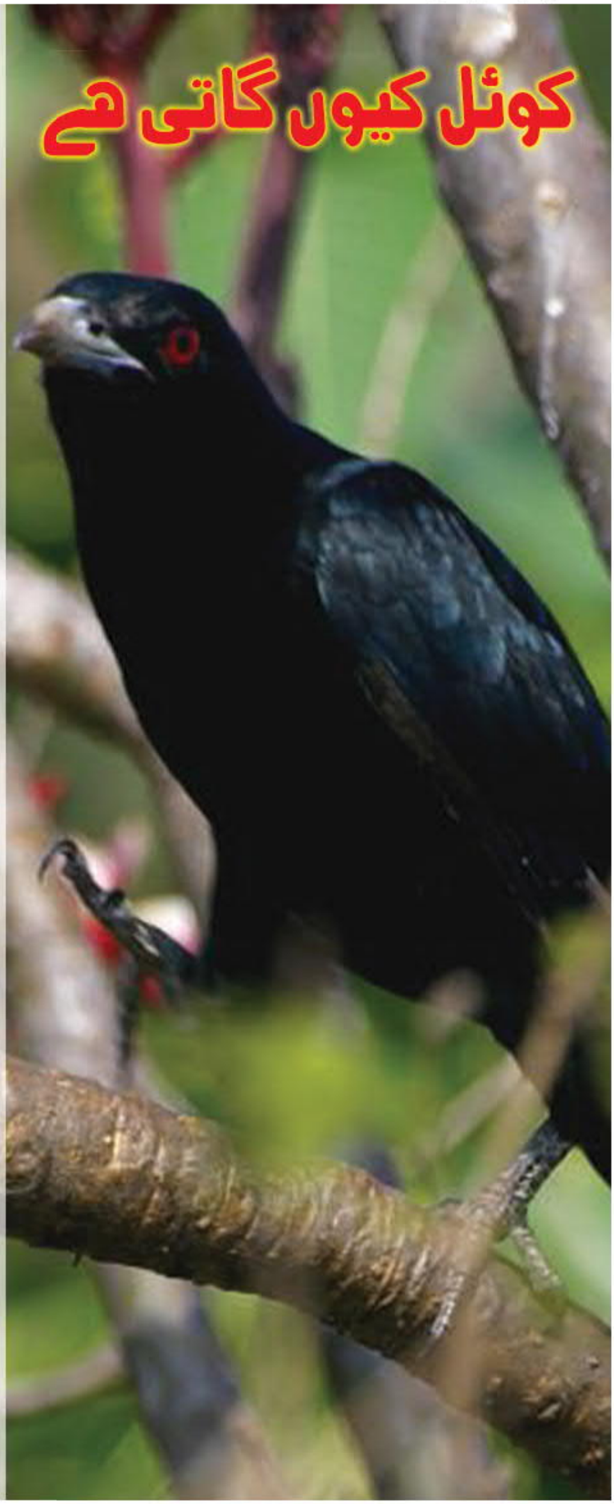

بچو! گرمیوں کی سنسان سی دوپہری میں جب آم کے پیڑوں پر ننھی ننھی کیریاں جھولا جھولتی ہیں اور ان کی خوشبو ہوا میں پھیلتی ہے تو ماحول بڑا سہانا لگنے لگتا ہے اور ایسے میں کوئلوں کی کوک... دل کی گہرائیوں کو چھو لیتی ہے۔ ہے نا؟ اس موسم میں کبھی آپ بھی کیریاں توڑنے آم کے باغوں میں گئے ہوں گے۔ کچی کیریاں کھانے کو آپ کا جی بھی مچلا ہوگا۔ لیکن کیا آپ کو معلوم ہے کہ آموں کے موسم کے حسن کو دوبالا کرنے والی کالی کالی کوئل کا رنگ پہلے کیسا ہوا کرتا تھا؟ نہیں نا— تو آیئے ہم آپ کو بتادیں۔ ایک بار ایسا ہوا کہ چڑیوں کی ایک سادہ سی نسل کا جوڑا آسمان سے نیچے اتارا گیا تو یہاں پہلے سے بسے ہوئے خوب صورت پرندوں اور چرندوں نے ان کا مذاق اڑانا شروع کردیا۔ تب انھوں نے اپنے پیدا کرنے والے سے پوچھا۔ یا میرے مالک تو نے ہمیں حسن کیوں نہیں عطا کیا؟

مالک دوجہاں نے کہا ''ہماری مصلحت اِسی میں ہے، ہم نے تمھیں پیدا کیا ہے نیکی کرنے کے لیے۔''

دونوں خاموش ہوگئے اور عبادت میں اپنا وقت گزارنے لگے۔ وہ روکھی سوکھی کھا کر مالک کا شکر ادا کرتے۔ کسی کو چوٹ لگتی تو جنگل سے جڑی بوٹیاں چن کر لاتے اور ان کے زخموں پر مرہم لگاتے۔

مالک دو جہاں نے انھیں یہ صلاحیت بخشی تھی کہ وہ جڑی بوٹیوں کو پہچان لیتے تھے۔ ان بوٹیوں کو ڈھونڈنے میں انھیں بڑی دور گھنے اندھیرے جنگلوں میں بھی جانا پڑتا تھا۔ بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑتی تھیں۔ لیکن وہ ہمت نہ ہارتے۔

اور پھر ایک دن مادہ چڑیا نے دو انڈے دیے اور انھیں سینے لگی۔ اس طرح تین ہفتے گزر گئے ایک صبح جب سورج کی روشنی مسکرائی ہی تھی کہ انڈوں سے چوں چوں کی آواز آئی۔ انڈے دو ٹکڑوں میں بٹ گئے۔

اور پھر ان دونوں کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ انھیں یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ یہ ان کے ہی بچے ہیں۔

اللہ نے ان کی عبادت، عیادت، خدمت خلق کا بے حد حسین صلہ دیا تھا۔

نارنگی چونچ، نارنگی پیر، لمبی لمبی کجراری آنکھیں۔ سنہری مائل سفید ریشمی پنکھ ریشم کے لچھوں پر سونا مڑھا ہو جیسے۔

انھوں نے ایک کا نام سوکو رکھا۔ دوسری کا کُوکُو۔

وقت گزرتا گیا۔ بچے بڑے ہوتے گئے۔ ان کی خوب صورتی نکھرتی گئی۔

دونوں بہنوں کو ایک دوسرے سے بے حد پیار تھا۔

چونکہ ہر جاندار کو فنا کی گود میں جانا ہوتا ہے لہٰذا ایک دن ان کے ماں باپ کو بھی دوبارہ جہاں سے بھیجے گئے تھے، واپس بلا لیا گیا۔ لیکن وہ اپنے پیچھے دو بے حد حسین نشانیاں چھوڑ گئے تھے۔

سوکو اور کوکو نے مل کر آم کی ایک گھنی شاخ پر اپنا بسیرا بنا لیا۔

اس شاخ کے ساتھ والی شاخ پر کوؤں کا ایک جوڑا بھی رہتا تھا جو بہت مہربان اور محبت کرنے والا تھا۔ وہ لوگ سوکو اور کوکو کو بہت پیار کرتے تھے۔ کوا ہمیشہ ان کی دلجوئی کرتا اور کووی پیار سے انھیں کھانا کھلایا کرتی۔ دیگر چڑیاں بھی مل جل کر رہتی تھیں۔ صبح سویرے سب مل کر کھیلا کرتے، نہاتے اور دانہ چگتے۔

ایک دوپہر دانہ دنکا سے فارغ ہونے کے بعد سب اپنے اپنے گھونسلوں میں آرام کرنے چلے گئے۔ سوکو اور کوکو بھی ایک شاخ پر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئیں اور پھر انھیں گہری نیند نے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ایک آواز نے انھیں چونکا دیا۔ پنجرے میں بند بہت ساری چڑیاں ایک ساتھ چلاتی ہوئی اپنے پروں کو پھڑپھڑا رہی تھیں اور سوکو زور زور سے چلا رہی تھی۔ ''کوکو...... کوکو......!''

ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ گھنے جنگل سے چڑیاں پکڑ کر واپس ہوتے ہوئے بہیلیے کی نظر اچانک ہی کوکو پر پڑ گئی اور اس نے جال ڈال دیا۔ کوکو اُس وقت ذرا کھلی کھلی چھدری شاخ پر جا بیٹھی تھی اور بہیلیے کی نگاہ میں آ گئی تھی۔ ''اس انوکھی چڑیا کو راجہ کے دربار میں لے کر جاؤں گا، بہت پیسے ملیں گے۔'' اس نے ایک دم سوچ لیا۔

اب رات گھر آئی تھی، ہر طرف اندھیرے کی چادر پھیل گئی تھی چاروں طرف سناٹا چھارہا تھا راستے کا کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔ روتے روتے سوکو بے حال ہوگئی۔ پھراچانک ہی کھمبے جیسی کسی چیز سے ٹکرا کرکسی گرم چیز پر گرگئی۔اس کا بدن جلنے لگاا ورآنکھیں کڑواہٹ سے بھرگئیں۔

دراصل یہ ایک دھواں اگلتا تنور تھا۔کوے بھائی کا شہرشہر گاؤں گاؤں آنا جانا لگا رہتا تھا اورسوکوکوڈھونڈھتے ڈھونڈھتے وہ اِس ڈھابے کی طرف آنکلے تھے جس کی تنور میں سوکوگری پڑی تھی۔سوکوکی آواز پہچان کر وہ اس طرف دوڑے اور جھپٹ کراسے اپنی چونچ میں اٹھالیا۔

''یہ کیا کرلیا تونے سوکو......؟ ہائے رے میری بہنا۔ وہ روپڑا۔

جنگل تک پہنچتے پہنچتے صبح کا ستارا اُگ آیا تھا۔سوکوابھی تک بے ہوش تھی۔اس کے سارے سنہرے پنکھ کالے ہوگئے تھے۔جگہ جگہ سے جھلس کراجڑ بھی گئے تھے۔

کوے نے اس کے زخموں پر جڑی بوٹی کا لیپ لگایا۔ اپنے بڑے پروں کے نیچے سے کچھ چھوٹے چھوٹے ملائم پر نوچ کرنکالے اورسوکو کے زخموں پر چپکا دیے۔

بہت دن لگے تھے سوکوکوصحت یاب ہونے میں۔کوے بھائی کی دن رات کی خدمت نے اسے ایک نئی زندگی عطا کی تھی مگراس کے نئے پر جواُگے وہ چمکیلے تو تھےلیکن ان کا رنگ سیاہی مائل بھورا تھا—

پھرایک دن کوے بھائی اس کے لیے ایک سانولا سلونا چڑاڈھونڈلائے۔

''دیکھ سوکو۔اب ہم دونوں بوڑھے ہوچلے، تیری دیکھ بھال کون کرے گا۔تیری طرح یہ بے چارا بھی اکیلا ہے۔ہے تو سانولالیکن نیک اور ایماندار ہے اوراب تو تو بھی سانولی ہی ہوگئی ہے۔''

اس طرح سوکو کی شادی سانولے چڑے سے ہوگئی۔کئی صدیاں بیت چکی ہیں۔لیکن کوے بھائی کی وصیت کے مطابق کوئلوں اور کوؤں کی دوستی آج بھی قائم ہے اور یہ بات بھی سب جانتے ہیں کہ کوئلوں کے انڈے آج بھی کویاں ہی سیتی ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بری طرح جل جانے کی وجہ سے کوئلیں ڈھائی ہفتے تک بھوکی پیاسی رہ کر اپنے انڈوں کونہیں سِے پاتیں۔ایسے میں کوی ہی ان کے انڈے سیتی اور بچے پالتی ہے۔جب تھوڑا بڑے ہوجاتے ہیں توانھیں ان کے ماں باپ کوسونپ دیتی ہے۔

اِس طرح کوئلوں کی نسل اب پوری طرح کالی ہوگئی ہے۔لیکن آواز ویسی ہی ہے جیسی صدیوں پہلے ہوا کرتی تھی۔

سوکوآج اس دنیا میں نہیں ہے لیکن مرتے مرتے بھی آموں کے ہرموسم میں وہ اپنی بہن کوڈھونڈھنے نکلا کرتی تھی کہ شاید کسی موسم میں اس کی بھولی بسری کوکواسے ڈھونڈتے اِدھرآنکلےلیکن اس کے پروں کے بدلے ہوئے رنگ کے باعث اسے پہچان نہ پائے۔

پھرایسا ہوا کہ سوکو کی درد بھری آواز کواس کی اگلی نسلوں نے بھی دل وجان سے اپنالیا۔

اور وہ سب مل کر اپنی جنّی کی آواز کوآج تک زندہ رکھے ہوئے ہیں اوراس کی آواز میں کوکوکوکو پکارتی چلی آرہی ہیں!!

■

Sheerin Niyazi
Teachers Colony, River Side
At Post: Bhurkunda,
Distt.: Ramgarh - 829135 (Jharkhand)

کہانی

مشتاق اعظمی

خواب اور حقیقت

ماہ نامہ ’جھولا‘ نئے نئے موضوع پر شان دار خاص نمبر پیش کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اس بار اس کا خاص نمبر ’خواب نمبر‘ کی شکل میں نکلنے والا تھا۔ ایک دلچسپ خواب کے ساتھ شریک ہونے کا دعوت نامہ میرے پاس بھی آیا تھا۔ مدیر ’جھولا‘ نے خواب کی فرمائش کے ساتھ یہ خوش خبری بھی سنائی تھی کہ ’خواب نمبر‘ کے لیے انتخاب شدہ ہر مضمون کا معقول معاوضہ بھی دیا جائے گا۔

کالج ایک عرصہ سے بند تھا۔ چھٹیوں میں، میں نے کچھ نئی کہانیاں لکھی تھیں۔ لیکن ان میں سے کوئی کہانی ’جھولا‘ کے لیے کارآمد نہیں تھی۔ ’جھولا‘ کے لیے ایک خاص قسم کی کہانی چاہیے تھی اور اس کے لیے مجھے اپنی بہت سی نئی اور پرانی یادداشتوں کو یک جا کرنا پڑا۔ کافی تلاش وفکر کے بعد میرے ذہن نے بہت دنوں قبل کا دیکھا ہوا ایک نہایت دلچسپ اور سبق آموز خواب ڈھونڈ نکالا۔ اب مجھے اس خواب کے غیر ضروری حصوں کو نکال کر اور سجا کر ایک کہانی کی شکل دے دینا تھا۔

آج طبیعت بہت خوش تھی اور میں لکھنے کے موڈ میں تھا۔ گھر کے ضروری کاموں سے جو میرے ذمّہ تھے نمٹ لینے کے بعد تقریباً دس بجے میں کہانی لکھنے کے ارادے سے بیٹھا۔ کاغذ میز پر رکھا تھا اور کھلا ہوا قلم میری انگلیوں میں تھا۔ میرا ذہن کہانی کی ترتیب میں مصروف تھا۔ اتنے میں پاس والے کمرے سے ابّا جان نے مجھے آواز دی۔ میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ میں نے قلم میز پر رکھ دیا اور ان کے پاس پہنچا۔ انھوں نے ایک منی آرڈر فارم میری طرف بڑھا دیا اور میز کی دراز سے دس روپے کے دو نوٹ نکال کر مجھے دیتے ہوئے کہا ’’جاؤ آج ہی یہ روپے بھیج دو۔ اِن کا جلد پہنچنا ضروری ہے‘‘۔

ملاحظہ فرمائیے ہمارے بزرگوں کی کرم فرمائیاں۔ ہماری ضرورت ان کو ٹھیک ایسے ہی وقت محسوس ہوگی جب ہم کسی دوست سے گپ شپ میں مصروف ہوں یا کوئی مزے دار کہانی یا ناول پڑھ رہے ہوں۔ یا پھر کسی دلچسپ پروگرام میں جانے

کی تیاری کررہے ہوں۔

میں بادلِ ناخواستہ روپے اور فارم جیب میں رکھ کر نکلا تو انھوں نے مجھے پکارا۔ ''سنو...!'' نہ جانے اب کیا حکم ہونے والا تھا...؟ ''منی آرڈر بھیجنے کی فیس تو تم نے لی ہی نہیں۔ یہ سکے رکھ لو۔ جو پیسے واپس ہوں اُن کے پوسٹ کارڈ لیتے آنا۔''

ڈاک خانے پہنچا تو وہاں منی آرڈر بھیجنے والے پندرہ بیس آدمیوں کی ایک لمبی قطار پہلے ہی سے موجود تھی۔ میں کیو (قطار) میں کھڑا ہو گیا۔ ایک گھنٹہ سے پہلے میری باری آنے والی نہیں تھی اور یہ ایک گھنٹہ مجھے کسی نہ کسی طرح گزارنا تھا۔ میرا موڈ آف ہو رہا تھا اور نہ جانے الجھن کے باعث میرا کیا حال ہوتا اگر میرے خیالات کا رخ یکا یک میری زیرِ تکمیل کہانی کی طرف نہ مڑ گیا ہوتا... میں اپنی تازہ کہانی اور دوسرے الفاظ میں 'دلچسپ خواب' کو سجانے لگا۔

میں اُس وقت چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔ چڑیوں کے شکار کا مجھے بے حد شوق تھا۔ یوں سمجھیے کہ یہی میری فرصت کا بہترین شغل تھا... میرا نشانہ بڑا پختہ تھا۔ کبوتر ہو یا فاختہ یا بگلا، میری غلیل کی ہلکی سی ٹھائیں کے بعد اس کا پھڑ پھڑا کر زمین پر آ جانا یقینی تھا۔ ابّا جان اکثر اس کے لیے مجھے بڑی سخت سزائیں دیتے تھے۔ کیونکہ وہ پرندوں کے شکار کے سخت مخالف ہیں مگر بار ہا سزا پانے کے باوجود بھی میں اس پُر لطف شوق کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا۔ لیکن آج۔۔۔ جب کہ میں بڑا ہو گیا ہوں اور پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط ہوں، پرندوں کے شکار کے خیال سے مجھے وحشت ہونے لگتی ہے۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا۔ مگر یہ سچ ہے۔ یہ تبدیلی میرے اندر یکا یک پیدا ہو گئی۔ کیسے...؟

ایک شام میں نے اسکول سے واپس آ کر کتابیں میز پر پٹخ دیں۔ نیکر کی ایک جیب میں غلیل رکھی اور دوسری جیب میں پتھر کے غلّے بھر لیے۔ میں چاہ رہا تھا کہ امّی کو پتہ نہ چلے کہ میں شکار کرنے جا رہا ہوں، ورنہ مجھے نہ جانے دیں گی اور مجھے رک جانا پڑے گا۔ مگر اتنی احتیاط کے باوجود انھوں نے تیور دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ برخوردار کا ارادہ کیا ہے۔

''میں کہتی ہوں آخر تمھیں مارکھانا اچھا لگتا ہے کیا...؟ بے چارے بے گناہ پرندوں کو ستانے میں تمھیں کیا مزہ ملتا ہے۔ کم از کم اس موسم میں تو انہیں چین سے رہنے دو۔ یہ ان کے انڈے بچے دینے کا زمانہ ہے۔ کیوں ان کی بد دعائیں لیتے ہو...؟'' آج امّی محض اپنی عادت اور ابّا کے حکم کی بنا پر مجھے ڈانٹ رہی تھیں۔ ورنہ دراصل آج ان کا موڈ بہت اچھا تھا۔ اس لیے ان کی نصیحت سے میں متاثر نہ ہو سکا اور یہ کہہ کر ''جس جانور کو اللہ میاں نے حلال بنایا ہے، اس کا شکار کرنے میں کیا مضائقہ ہے؟'' میں نکل گیا۔

غلیل اب میرے ہاتھ میں تھی اور میرے قدم تیزی کے ساتھ باغ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ اچانک میں ٹھٹکا۔ میری نظر سامنے والے بنگلہ کی منڈیر پر جم گئی۔ ایک مینا بہت اچھے موقع سے بیٹھی تھی۔ میں نے غلّہ نکال کر آہستہ سے غلیل میں لگایا اور نشانہ تاک کر ایسا مارا کہ ... نہیں نہیں... مینا گری نہیں وہ اڑ گئی اور... غلّہ منڈیر سے ٹکرا کر واپس ہوا تو میری داہنی آنکھ میں لگا۔ میں درد کی شدت اور تکلیف سے چیخ پڑا... اف!... مجھے چکر سا آ گیا۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ یہ تو میں خواب دیکھ رہا تھا۔ میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ یہ محض خواب ہی تھا۔ غالبًا اللہ میاں نے یہ ڈراؤنا خواب مجھے اس لیے دکھایا تھا کہ میں بلاوجہ پرندوں کو ستانا چھوڑ دوں اور جیسا کہ میں نے پہلے بتایا، اس خواب سے میں اس قدر متاثر اور ہراساں ہوا کہ

اس دن سے چڑیوں کے شکار سے توبہ کر لی۔ اب جب بھی میں کسی پرندے کو نشانہ بنانے کے لیے غلیل اٹھاتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے پرندہ اڑ گیا ہو اور غلّہ کسی منڈیر سے ٹکرا کر تیزی کے ساتھ میری طرف واپس آرہا ہو اور میں خوفزدہ ہو کر غلیل پھینک دیتا ہوں... کہانی مکمل ہوگئی۔ اب مجھے گھر پہنچ کر لکھ ڈالنا تھا۔

''خاموش کیوں کھڑے ہیں صاحب، لایئے منی آرڈر دیجیے۔'' کلرک کی آواز سن کر میں چونک پڑا۔ میں کہانی کی ترتیب میں کچھ ایسا کھو گیا تھا کہ مجھے خیال بھی نہ رہا کہ میری باری آگئی ہے اور میں کاؤنٹر کے پاس پہنچ چکا ہوں۔ میں نے منی آرڈر فارم کلرک کے ہاتھ میں دے دیا اور روپے نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تو میرے پاؤں تلے سے زمین سرکتی ہوئی معلوم ہوئی۔ روپے جیب میں نہیں تھے۔ قمیص اور پتلون دونوں کی جیبیں ٹٹول ڈالیں۔ صرف کچھ سکے باقی رہ گئے تھے اور نوٹ غائب تھے۔

میں نے اپنے ہاتھ میں چٹکی لی کہ کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ مگر یہ خواب نہیں تھا، حقیقت تھی...

''جلدی ہٹیے بھی صاحب۔ کیا کر رہے ہیں آپ؟''

''ارے بھئی مکھی مار رہے ہو کیا۔ اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟''

پیچھے لائن میں کھڑے ہوئے لوگوں کی آوازیں میری بے بسی اور پریشانی میں اضافہ کر رہی تھیں۔ میں نے کلرک سے فارم واپس لے لیا اور چپ چاپ وہاں سے نکل گیا۔

■

Prof. Mushtaque Azmi
Azmi Mansion, 25, G.C. Mitra Road
Kishori Gali, Po: Asansol- 713301(West Bengal)

■ اشتیاق احمد راشد

گڑیا

دیکھو! جادو کی پڑیا
میری پیاری شیفا گڑیا
اِدھر اُدھر جب وہ دوڑے
مت پوچھو کیا کیا نہ توڑے
پیچھے پیچھے سب کے گھومے
مستی میں ہے ناچے جھومے
پلکیں ایسے مٹکاتی ہے
سچ مچ گڑیا بن جاتی ہے
چھڑی کو لے کر جب چلتی ہے
کھڑی ہوئی دادی لگتی ہے
جب ممّی لوری گاتی ہے
تب نیند اس کو آجاتی ہے

■

Ishtiaque Ahmed Rashid
3, P.M Basti, 2nd Bye Lane
Shibpur, Howrah - 711102

محمد نثار

اسپتال کے اس کمرے میں دو ہی بیڈ تھے۔ ایک بیڈ کھڑکی کے ساتھ لگا ہوا تھا جبکہ دوسرا اندر کی جانب تھا۔ کھڑکی کے ساتھ والا بیڈ وکٹر کا تھا جو اسے اکثر بہت سی دلچسپ کہانیاں سناتا رہتا تھا۔ کسی کہانی میں پھولوں کی بھینی بھینی خوشبوؤں کا ذکر ہوتا تو کسی واقعہ میں پیڑ پودوں کی ہریالی کا بیان اور پھول سے چہرہ والی لیڈی ٹائپسٹ کے قصے بھی تو وکٹر بڑے مزیدار انداز میں سناتا تھا۔ اس کی باتیں اسپتال کے اس کمرے کے ماحول کو بھی خوشگوار بنائے رکھتی تھیں۔ کبھی کبھی وہ سوچتا کہ ''آخر وکٹر کو کتنے قصے یاد ہیں، کتنی کہانیاں جمع ہیں اس کے دماغ کے خزانے میں...''۔

وکٹر جب کبھی خاموش ہوتا تو اپنے بستر کے ساتھ والی کھڑکی سے باہر کچھ دیکھتا رہتا۔ وکٹر کی اسی عادت کی وجہ سے اسے دھیرے دھیرے یہ یقین ہو چلا تھا کہ وکٹر جو خوشنما نظاروں والی کہانیاں سناتا ہے وہ دراصل اس کے بیڈ کے ساتھ والی کھڑکی کے باہر کے نظاروں کا آنکھوں دیکھا حال ہوتا ہے۔ اس نے کئی بار چاہا کہ وہ بھی وکٹر کے بیڈ پر جاکر کھڑکی کے باہر کے نظاروں سے لطف اندوز ہو لیکن بے جان ٹانگوں میں کوئی حس واپس ہی نہیں آرہی تھی۔ اب تو بس ایک ہی حل تھا کہ کسی طرح کھڑکی کے ساتھ والا بیڈ اسے مل جائے مگر اسی انتظار میں تین مہینے بیت چکے تھے۔ اسے لگتا تھا کہ وکٹر کو اس بات کا گھمنڈ ہے کہ اس کا پلنگ کھڑکی کے پاس ہے۔ جیسے اکیلا وہی اس کھڑکی کا مالک ہو۔ اس خیال نے اس کے دل میں وکٹر کے لیے نفرت پیدا کردی۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، وکٹر کے لیے اس کی یہ نفرت بڑھتی ہی گئی۔ دوسری جانب وکٹر کی حالت مزید بگڑتی جارہی تھی۔ سوتے وقت اسے سانس لینے میں تکلیف ہوتی تھی اور وہ ہانپتا ہوا اٹھ کر بیٹھ جاتا۔ وکٹر کو اس حالت میں دیکھ کر وہ نزدیک میں لگی گھنٹی کا بٹن دبا دیتا تھا۔ اونگھتی ہوئی نرسیں آتیں۔ اس کی حالت دیکھ کر ڈاکٹر کو بلاتیں جو اسے ایک انجکشن دیتا اور وکٹر

دوبارہ آرام کی نیند سوجاتا۔ ایک دن اچانک اسے خیال آیا کہ اگر وہ رات کو گھنٹی کا بٹن نہ دبائے تو...؟

اس رات جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا۔ وکٹر ہانپ رہا ہے۔ اسے سانس لینے میں بہت دقت ہورہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور نیند کا بہانہ بنائے لیٹا رہا۔ وکٹر کی اکھڑتی سانسوں کی وجہ سے اس کی بے چینی اور چھٹپٹاہٹ تیز سے تیز ہوتی جارہی تھی۔ مگر آج نہ کوئی گھنٹی بجی اور نہ ہی کوئی نرس اس طرف آئی۔ وکٹر کی سانسوں کی آواز دھیمی دھیمی ہچکیوں میں تبدیل ہوئی اور پھر بند ہی ہوگئی۔ ان آوازوں کے بند ہونے پر بھی اس نے آنکھ کھول کر نہیں دیکھا بلکہ آنکھیں بند کیے کیے ہی اس کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ اسے لگا کہ اس کی بند آنکھوں میں ہی کھڑکی کے باہر کے خوشنما نظارے بکھرنے لگے ہیں۔ وہ ان نظاروں میں ایسا کھویا کہ اسے وکٹر کی حالت جاننے کا خیال بھی نہ آیا۔ بس اب تو وہ بے صبری سے صبح کا انتظار کررہا تھا۔

آخر کار صبح ہوئی۔ ناشتہ والا ناشتہ لایا مگر وکٹر کو بے سدھ پڑا دیکھ کر واپس لوٹ گیا۔ پھر واپس آیا تو ڈیوٹی نرس بھی اس کے ساتھ تھی۔ اس بیچ ناشتہ والے نے برابر میں رکھے اس کے برتنوں میں ناشتہ کا سامان نکال کر رکھا اور نرس وکٹر کی نبض ٹٹولنے کے بعد باہر گئی اور ڈیوٹی پر موجود جونیئر ریزیڈنٹ ڈاکٹر کو ساتھ لے کر آئی۔

ڈاکٹر نے ضروری چیک اپ کرکے نرس کو کچھ اشارہ کیا اور نرس نے بستر کی چادر سے وکٹر کا منہ ڈھک دیا۔ مگر وہ اب تک بھی سونے کا ہی ڈرامہ کررہا تھا۔ آخر کار اسٹریچر لایا گیا اور وکٹر کی باڈی اس پر ڈال کر باہر لے جائی گئی۔

اسے یقین ہوگیا کہ کمرے میں اب کوئی دوسرا موجود نہیں ہے تو اس نے آنکھ کھولی۔ وکٹر کے خالی بستر کو للچائی نظروں سے دیکھا اور پھر کھڑکی کے باہر کے تصورات میں کھوگیا۔ ناشتہ کا خیال بھی اسے نہ رہا۔

صبح ڈاکٹر راؤنڈ پر آئے تو وہ یوں چہرہ لٹکائے ہوئے تھا جیسے وہ سچ مچ وکٹر کی موت کے غم میں ڈوبا ہوا ہو۔ ڈاکٹر نے اس سے ضروری پوچھ گچھ کی......مگر اس نے تمام سوال وجواب کے دوران وکٹر کے خالی بستر پر ہی نظریں گڑائے رکھیں۔ ڈاکٹر جانے لگا تو اس نے کہا ''ڈاکٹر صاحب وہ وکٹر......''،

''ہاں، رات میں اس کی حالت کے بگڑنے کا کسی کو پتہ ہی نہیں چلا'' ڈاکٹر نے اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی جواب دیا ''حیرت تو یہ ہے کہ اس کی تکلیف کے وقت تمھاری بھی آنکھ نہیں کھلی، تم جاگ گئے ہوتے اور بیل بجادیتے تو شاید وکٹر کی جان بچ جاتی۔'' ''کیا اس کا بیڈ مجھے مل سکتا ہے؟'' اچانک دل کی بات اس کی زبان پر آگئی۔ وہاں کیوں نہیں......؟ ڈاکٹر نے اسے جواب دیا اور پھر نرس کو اسے کھڑکی کے پاس شفٹ کرانے کا حکم دے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس نے بڑے ہی اطمینان سے دو تکیے ایک دوسرے پر رکھے اور کھڑکی کے باہر نگاہ ڈالی، پر باہر نہ کوئی پیڑ تھا نہ کوئی گھر، نہ کھمبا، نہ لیٹر بکس، نہ باغیچہ اور نہ ہی کوئی چوراہا۔ کھڑکی کے باہر اسپتال کے پیچھے کی اوبڑ کھابڑ زمین تھی، جہاں سے نالیوں کا گندا پانی بہہ رہا تھا......''

■

Dr. Mohd. Nesar
602-D/8, Ward No.: 3,
Rose Apartment, D-1, Mehrauli
New Delhi-110030

محمد آصف

حوصلہ

ان دنوں بہت بارش ہورہی تھی اور سردی بھی گویا جان لے رہی تھی۔ چاروں طرف بس پانی ہی پانی تھا۔لوگوں کے گھر آدھے پانی میں ڈوبے ہوئے تھے اور جو کچے مکان تھے بارش نے انھیں زمیں بوس کردیا تھا۔ ہر طرف بس بربادی ہی بربادی نظر آرہی تھی۔ اسی تباہی و بربادی کا مارا ایک معصوم بچہ خیرالبشر ایک ٹوکری سر پر لیے پانی سے بچتا ہوا بیٹھا تھا اور وہ اس تباہی سے مانو جیسے سہم گیا تھا کیونکہ اس نے کبھی ایسا منظر نہ دیکھا تھا۔

اس تباہی سے پہلے خیرالبشر کی زندگی کسی جنت سے کم نہ تھی۔اس کے گھر میں اس کے والد، والدہ، بہن اور ایک دایہ رہتی تھی۔ وہ ایک اچھے خاندان کا نیک فطرت لڑکا تھا۔ وہ نویں جماعت کا طالب علم تھا۔ اس کے والد محنت مزدوری کرکے گھر کی ضروریات پورا کرتے تھے۔ اس کی امی بڑی دینداراور نیک خاتون تھیں جن کی مثالیں سارا گاؤں دیتا تھا۔ اس کی والدہ سلائی کا کام کرتی تھی اور اس سلائی سے جو بھی پیسہ مل جاتا تھا اس پیسے کو وہ خیرالبشر کی تعلیم پر خرچ کرتی تھی۔

اچانک ایک دن خیرالبشر کی امی کی طبیعت خراب ہوگئی اور دھیرے دھیرے ان کا مرض بڑھتا تھا جس سے گھر کے اخراجات بھی بڑھ گئے۔ خیرالبشر کے والد جن کا نام عبداللہ تھا انھیں یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر کیا بیماری ہوگئی۔ وہ ڈاکٹر کے پاس گئے، ڈاکٹر نے اس کی امی خالدہ بیگم کو کینسر کا مرض بتایا۔ اس خبر سے پورا گھر پریشان ہوگیا مگر خالدہ بیگم سب کو ہمت دیتی رہیں اور یہ کہتی کہ سب اللہ رب العزت کی مرضی ہوتی ہے۔ہمیں ہر حال میں اللہ کا شکرادا کرنا چاہیے کیونکہ وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ خالدہ بیگم کو طرح طرح کے ٹیسٹ کروانے پڑرہے تھے اور کینسر (Cancer) کا علاج اتنا مہنگا تھا کہ خیرالبشر کی پڑھائی پر بھی اس کے اثرات پڑنے لگے۔ مگر اس کے والد نے بھی ہمت نہیں ہاری اور انھوں نے ہر طرح سے اخراجات کو اٹھایا اور خیرالبشر کی پڑھائی میں نہ ہی کوئی کمی آئی اور نہ ہی خالدہ بیگم کے علاج میں مگر خالدہ بیگم دل ہی دل میں رنجیدہ ہوجاتی تھی کہ میری بیماری پر نجانے اور کتنا خرچ ہوگا۔ آخرکار خالدہ بیگم Cancer کے Last Stage پر آگئیں اور انھیں بہت زیادہ پیسے لگ گئے۔ یہاں تک کہ گھر بھی گروی رکھنا پڑا۔ خالدہ بیگم یہ دیکھ کر خیرالبشر سے یہ آرزو کرتی کہ میرے بیٹے آج تیری امی اس بیماری سے اور تیرے ابو اس غریبی میں بھی مجھ پر اتنا خرچ کررہے ہیں یہاں تک کہ ہمارا

گھر بھی گروی رکھنا پڑ گیا۔ میرے بیٹے تیری امی کی یہ خواہش ہے کہ تو ایک بڑا ڈاکٹر بن اور اپنی اس بیمار ماں کی آرزو کو پورا کر۔ جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گی اور تو خوب پڑھ لکھ کر ایک ڈاکٹر بن جائے گا تو غریبوں کا علاج بالکل مفت کرنا۔

خیرالبشر نے اپنی امی کی نصیحت بھری باتوں کو سن لیا اور وہ رات میں سونے کے لیے بستر لگا ہی رہا تھا کہ اچانک ایک بجلی بلند ہوئی جس کی آواز سن کر اس کی بہن ماہین ڈر گئی۔ وہ اپنی دایہ کے پاس چلی گئی اور اس کی دایہ اس کی ہمت افزائی کرتی ہے اور اس سے کہتی ہے ماہین بیٹا ہمیں ہر حال میں ہمت رکھنی چاہیے مگر اس رات تو جیسے بارش اپنا قہر برپا کر رہی تھی۔ چاروں طرف تیز ہوائیں چل رہی تھیں ہر طرف سے گڑگڑاہٹ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ بارش بہت زیادہ تیز ہو رہی تھی اور ہر طرف سے لوگوں کی چیخنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پورے علاقے میں طوفان آ گیا تھا۔

خیرالبشر جب تک یہ سب دیکھتا اس سے پہلے ہی ایک پانی کا تیز بہاؤ اس کے گھر میں داخل ہوا اور گھر کا ہر فرد اس طوفان کا شکار بن گیا۔ سوائے خیرالبشر کے۔ جب صبح ہوئی تو ہر طرف خیرالبشر نے تباہی و بربادی کا منظر دیکھا۔ گھر پانی میں ڈوبے ہوئے اور کچے مکان زمین بوس ہو چکے تھے۔ سارا منظر دیکھ خیرالبشر بولا ''خدا کا شکر ہے'' وہ خدا کا شکر اس لیے ادا کر رہا تھا کہ اس کی امی نے کہا تھا کہ ہمیں ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ خیرالبشر نے اپنا حوصلہ قائم رکھا اور اس نے اس طوفان میں اپنی ماں بہن، والد اور دایہ کو کھو دیا تھا مگر اس کے حوصلے میں کوئی کمی نہ آئی۔

طوفان کے بعد جب حالات بہتر ہو گئے تو اس نے اپنی پڑھائی کو مکمل کرنا چاہا۔ وہ دن میں اسکول جاتا اور رات میں بیکری میں کام کرتا تھا کیونکہ اسے کسی بھی حال میں اپنی امی کی خواہش کو پورا کرنا تھا۔ اس طرح اس نے نویں جماعت میں اول نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔ جب وہ دسویں جماعت میں پہنچ گیا تو اس نے اسکالرشپ کا امتحان پاس کیا اور اسے امتحان کی کامیابی کے عوض میں بہت سے پیسے مل گئے مگر خیرالبشر نے ان پیسوں کو پڑھائی پر خرچ کیا۔ اس کا غلط استعمال نہیں کیا۔ اس طرح سے وہ دسویں جماعت میں میرٹ میں پاس ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے ہر وہ امتحان پاس کیا جو اسے ایک قابل ڈاکٹر بنانے میں مددگار ثابت ہوا۔ آخرکار خیرالبشر ڈاکٹر بن گیا اور پھر اپنی خدمات انجام دینے لگا۔ اس نے اپنے ہاسپٹل کا نام اپنی والدہ کے نام پر Khalida Memorial رکھا۔ آخر خیرالبشر ہر غریب مریض کا علاج بالکل مفت کرتا ہے۔ اس کی امی نے یہ بھی کہا تھا کہ جب تو کسی غریب محتاج کا علاج کرے گا وہ شفایاب ہو جائے گا تو، تو یہ سمجھ لینا کہ تیری امی زندہ ہو گئی۔ اس طرح خیرالبشر ہر غریب اور بے بس مجبوروں اور لاچاروں کا سہارا بن گیا اور اپنی خدمات انجام دینے لگا۔

اپنے لیے تو ہر کوئی جیتا ہے مگر انسان وہی جو دوسروں کے کام آ جائے لہٰذا ہمیں بھی دوسروں کے کام آنا چاہیے۔

■

Mohd Asif Abdul Naim
Hydri Chowk Diwan Pura, Ward No:4
Margrul Pir, Dist.: Washim
Maharashtra - 444403

حیدر بخش حیدری

اب تک آپ نے پڑھا کہ ملک یمن میں بادشاہ طے کا شریف اور سخی بیٹا حاتم تھا۔ وہ لوگوں کی بھلائی اور دوسروں کی مدد کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیتا تھا۔خراسان کے ایک سوداگر برزخ کی بیٹی حسن بانو کی خوب صورتی کے چہار سو چرچے تھے۔ برزخ نے مرنے سے پہلے اپنی بیٹی بادشاہ کو سونپ دی تھی۔حسن بانو بڑی نیک دل تھی۔اس نے اپنے سوداگر باپ کی دولت دونوں ہاتھوں سے لٹانی شروع کردی۔ یہ دیکھ کر اس کی دائی نے اُسے روکا کہ ابھی تمہاری بہت لمبی عمر ہے ایسے دولت نہ ختم کرو۔ زندگی گزارنے کے لیے ایک شریک حیات کا انتخاب کرو۔ اچھے قابل اور بہادر انسان کی تلاش کے لیے سات سوال کرو۔ جو نوجوان سارے سوالات حل کرلے اُس سے شادی کرو اور چین وسکون کی زندگی گزارو۔ اسی بیچ ایک جعلی بزرگ نے حسن بانو کی ساری دولت لوٹ لی۔ حسن بانو نے جب بادشاہ سے شکایت کی تو بادشاہ نے اسے جھوٹا قرار دے کر شہر سے نکال دیا۔ حسن بانو اور اس کی بوڑھی دائی ایک جنگل میں رہنے لگے۔ ایک دن تھکی ہاری حسن بانو کو خواب میں نظر آیا کہ جس درخت کے نیچے وہ سو رہی ہے وہاں سات بادشاہتوں کا خزانہ گڑا ہے۔ حسن بانو نے اٹھ کر دائی کو اپنا خواب بتایا اور دونوں نے اس خزانے کو حاصل کیا اور جنگل میں عالی شان محل بنا کر رہنے لگیں۔ کچھ دنوں بعد حسن بانو نے ایک لڑکے کا بھیس بدلا اور خراسان کے بادشاہ سے ملاقات کی اور اپنی عقل مندی سے اُس جعلی پیر کی حقیقت سب کے سامنے لا دی۔ بادشاہ یہ سب جان کر بہت شرمندہ ہوا اور حسن بانو کی ساری دولت واپس کردی۔ حسن بانو اب ہنسی خوشی رہنے لگی اور اللہ کی راہ میں اپنی دولت لٹانے لگی۔ شہر خوارزم کے شہزادے کو بھی حسن بانو کے حسن اور سخاوت کا علم ہوا۔ وہ حسن بانو کی محبت میں گرفتار ہو کر حسن بانو سے ملنے آپہنچا اور اس سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ حسن بانو نے شرط رکھی کہ میرے ساتوں سوالوں کا جواب لادو پھر میں تم سے شادی کروں گی۔ منیر شامی نے پہلا سوال دریافت کیا اور جواب ڈھونڈنے نکل پڑا لیکن وہ ناکام رہا۔ اس کی ملاقات حاتم سے ہوتی ہے۔ حاتم اسے دلاسا دیتا ہے اور حسن بانو کے پاس منیر شامی کو رکھ کر وہ پہلے سوال کا جواب لانے نکل پڑتا ہے۔ اب آگے ...

پہلا سوال

حاتم کا جانا اور پہلے سوال کا جواب لانا

منیر شامی کی مدد کے لیے حاتم گھر سے نکل تو کھڑا ہوا مگر سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کدھر جائے۔ اِسی اُلجھن میں جنگل جنگل مارا پھرتا تھا اور اللہ سے دعا کرتا تھا کہ کسی طرح منیر شامی کی مشکل آسان کردے۔ ایک دن جنگل میں دیکھا کہ ایک ہرنی چر رہی ہے۔ پاس ہی ایک بھیڑیا تاک میں بیٹھا ہے۔ قریب تھا کہ اسے دبوچ لے۔ حاتم دوڑ کر قریب پہنچا اور للکار کر کہا "او نابکار! اس معصوم بچوں والی کی جان کیوں لیتا ہے؟" بھیڑیا یہ آواز سن کر رک گیا اور کہا "یقیناً تو حاتم ہے جو تجھے ہرنی پر اتنا رحم آیا۔" حاتم نے پوچھا "تو نے کیسے پہچانا؟" اس نے جواب دیا "حاتم کے سوا کون ہے جو بے زبان جانوروں پر ترس کھائے۔ مگر اتنا سچ کہ میں اسے نہ کھاؤں تو اپنا پیٹ کس طرح بھروں؟" حاتم نے کہا "سچ ہے، تیرا پیٹ تو بھرنا ہی چاہیے۔" یہ کہہ کر نیام سے تلوار نکالی اور اپنی ران سے گوشت کا ایک پارچہ کاٹ کر اُس کے آگے ڈال دیا۔ بھیڑیے نے پیٹ بھر کے جنگل کا راستہ لیا۔ ہرنی نے بھی آنکھوں ہی آنکھوں میں حاتم کا شکریہ ادا کیا۔ حاتم بھی ایک طرف کو چل نکلا لیکن ران کا زخم چلنے نہ دیتا تھا۔ ناچار ایک درخت کے نیچے پڑ رہا۔ زخم کی تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ ایک گیدڑ اور اس کی مادہ اُدھر سے گزرے۔ مادہ نے پوچھا "یہ آدم زاد کون ہے اور اِسے کیا تکلیف ہے جو اسے چین لینے نہیں دیتی۔" گیدڑ نے کہا "میں نے اپنے بزرگوں سے جو کچھ سنا ہے اس کے حساب سے یہ نوجوان حاتم دکھائی دیتا ہے۔" مادہ نے کہا "مجھے اس کا کچھ اور حال بتاؤ۔" گیدڑ نے حاتم کی سخاوت اور بہادری کا حال سنایا۔ بھیڑیے اور ہرنی کا قصہ بھی سنایا۔ مادہ نے کہا "کاش ہم اس کی کچھ مدد کر سکتے۔" گیدڑ نے کہا "ماژندراں کے جنگل میں ایک جانور ہے۔ اس کے سر کا بھیجا اس کے زخم کو فوراً اچھا کردے گا۔ تو اس کی دیکھ بھال کر۔ میں ایک ہفتے کے اندر اُس کا بھیجا لے کر آتا ہوں۔"

گیدڑ رخصت ہوکر ماژندراں کی طرف چلا۔ آٹھ دن مادہ حاتم کی دیکھ بھال کرتی رہی۔ آٹھویں دن گیدڑ بھیجا لے کر آیا۔ زخم پر رکھا تو فوراً بھر گیا اور حاتم اُٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں کا شکریہ ادا کیا اور بولا کہ "تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا۔ اگر تم مجھ سے کوئی خدمت لے لو تو مجھے بڑی خوشی ہوئی۔" گیدڑ نے کہا "اے حاتم! دنیا بھر پر تیرے احسان ہیں۔ ایک احسان مجھ پر بھی کر۔ یہاں سے تھوڑی دور پر ایک بھیڑیا رہتا ہے۔ ہر سال ہمارے بچوں کو کھا جاتا ہے۔ اس کا کچھ علاج کر۔" حاتم نے کہا "تم اس کا پتہ بتاؤ۔ میں کوشش کرتا ہوں۔ آگے اللہ مالک ہے۔"

بھیڑیے کا پتہ پوچھ کر حاتم اس کے گھر پہنچا۔ بہت سمجھایا کہ اپنی اس حرکت سے باز آجا۔ مگر وہ بدزبان غرانے لگا اور حاتم سے بولا "تو میرے معاملے میں دخل مت دے ورنہ تیرا بھی وہی حشر کروں گا جو گیدڑ کے بچوں کا کیا۔" یہ سن کر حاتم کو طیش آگیا اور اس سے الجھ پڑا۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ آخر حاتم نے اس کی گردن دبوچ لی اور پچھاڑ کر خنجر سے اس کے سارے دانت اور ناخن توڑ ڈالے۔ یہ درگت بن گئی تو بھیڑیا حاتم کے پیروں پر گر پڑا اور رو رو کر کہنے لگا "اے نوجوان! تو نے یہ کیا کیا۔ اب میں شکار کیسے کروں گا اور اپنا پیٹ کیسے بھروں گا؟" یہ دیکھ کر حاتم کو ترس آیا اور اپنے کیے پر پچھتانے

لگا۔ گیدڑ پاس ہی کھڑا تھا۔ اس نے کہا ''اے حاتم! تو نے میرے اوپر بڑا احسان کیا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جیتے جی اس بھیڑیے کو کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے دوں گا۔ اپنے کھانے سے پہلے اسے کھانا پہنچاؤں گا اور پوری طرح اس کی دیکھ بھال کروں گا۔'' یہ سن کر حاتم کو اطمینان ہوا اور وہ بھڑیے کو تسلی دے کر گیدڑ کے ساتھ واپس چلا آیا۔

راستے میں گیدڑ نے حاتم کو بتایا ''میں جانتا ہوں، حاتم! تو کس کام سے گھر بار چھوڑ کر جنگلوں کی خاک چھانتا پھر رہا ہے۔ میں نے اپنے بڑوں سے سن رکھا ہے کہ وہ آواز جس کی تجھے تلاش ہے دشتِ ہویدا سے آتی ہے اور وہ جنگل یہاں سے بہت دور ہے۔ اُس کے دو راستے ہیں۔ ایک دور کا، دوسرا پاس کا۔ پاس کا راستہ خطروں سے بھرا پڑا ہے۔ دور کے راستے میں خطرے کم ہیں۔''

حاتم اس سے رخصت ہوکر آگے چلا۔ چلتے چلتے ایک چوراہا دکھائی دیا۔ یہ وہاں کھڑا ہوکر سوچنے لگا کہ اب کدھر جاؤں۔ اتنے میں چاروں طرف سے ریچھوں نے گھیر لیا۔ یہ بستی ریچھوں ہی کی تھی۔ وہ اسے پکڑ کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اپنے پاس بٹھایا اور کہنے لگا ''اپنا حال کہو تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو اور کیا نام ہے؟ ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم یمن کے شہزادے ہو اور تمھارا نام حاتم ہے۔'' حاتم نے جواب دیا ''سچ کہتے ہو۔ میں طے کا بیٹا حاتم ہوں۔''

اس نے کہا ''تمھارے آنے سے میرا بڑا کام بنا۔ اس جنگل میں کوئی اس قابل نہ تھا جس سے میں اپنی بیٹی کی شادی کرسکوں۔ اب میں تجھے اپنا داماد بناؤں گا۔'' حاتم بہت گھبرایا کہ ریچھنی سے کیسے نبھے گی۔ اُس نے شادی سے انکار کردیا۔ اس پر ریچھوں کے بادشاہ کو بہت غصہ آیا اُس نے حاتم کو غار میں ڈلوا دیا اور غار کا منہ پتھر سے بند کردیا۔ حاتم کئی دن تک بھوکا پیاسا قید میں رہا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ سرہانے کھڑا ہے اور کہتا ہے ''اے حاتم! تو خواہ مخواہ کیوں اپنی جان گنواتا ہے۔ جب تک تو یہ شادی منظور نہ کرے گا قید سے نہ چھوٹے گا۔ اس شادی میں ہی تیری بھلائی ہے۔'' یہ کہہ کر بزرگ رخصت ہوگئے اور حاتم چونک کر اٹھ بیٹھا۔

اتنے میں بادشاہ نے حاتم کو بلوایا اور پوچھا کہ ''بول اب

کیا کہتا ہے'' حاتم رضامند ہوگیا۔ بادشاہ نے جب امیروں وزیروں کو جمع کیا اور بڑی دھوم دھام سے شادی کی۔ حاتم نے دو تین مہینے یہاں گزارے۔ آخر ایک دن اپنی بیوی سے بولا ''آج میرا حال سنو۔ میں ایک کام کے واسطے اپنے شہر سے نکلا تھا۔ تیرے باپ نے زبردستی میرا بیاہ کر دیا۔ اگر تم دونوں خوشی سے مجھے کچھ دنوں کے لیے اجازت دے دو تو میں وہ کام کر آؤں۔''

یہ سنتے ہی وہ دوڑی دوڑی اپنے باپ کے پاس گئی اور حاتم کی سفارش کی۔ وہ بھی رضامند ہوگیا۔ دربار میں بلا کر عزت کے ساتھ حاتم کو رخصت کیا۔ اس کی بیٹی نے ایک مہرہ پگڑی میں باندھ دیا اور سمجھا دیا کہ یہ قدم قدم پر تیرے کام آئے گا۔ اس طرح وہ ان دونوں سے رخصت ہوکر آگے چلا۔

ایک مدت کے بعد کسی پہاڑ پر جا پہنچا۔ یہاں میووں سے لدے ہرے بھرے درخت کوسوں تک لہلہاتے تھے۔ بڑی خوشگوار جگہ تھی۔ ذرا دیر کو ستانے کے لیے لیٹ رہا۔ تھکا ہارا تو تھا ہی۔ لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر میں باغ کا مالک وہاں آ پہنچا۔ حاتم کی آنکھ کھلی تو اسے سامنے کھڑا پایا۔ فوراً اٹھا اور جھک کر سلام کیا۔ اس نے محبت سے پوچھا ''اے مہمان! تو کون ہے اور کہاں جائے گا؟'' حاتم نے جواب دیا ''میں دشتِ ہویدا کو جاؤں گا۔'' اس نے نرمی سے کہا ''اے جوان! اس خیال کو دل سے نکال دے۔ وہاں جا کر آج تک کون واپس آیا ہے؟''

حاتم نے کہا ''میں اپنی کسی مراد کے لیے وہاں نہیں جاتا۔ میں نے اللہ کے راستے میں کسی اور کی مدد کرنے کے لیے کمر کسی ہے۔'' اس نے جواب دیا میں سمجھ گیا تو یقیناً حاتم ہے۔ کیونکہ اس کے سوا اس زمانے میں کون ہے جو کسی دوسرے کے لیے اپنی جان مصیبت میں ڈالے۔ خیر فکر مت کر جو دوسروں کی مدد کرتے ہیں اللہ ان کی مدد کرتا ہے۔ لیکن میں اتنا بتا دوں کہ جو دشتِ ہویدا کی طرف گیا وہ پھر لوٹ کر نہ آیا اور جو لوٹ بھی آیا وہ اپنے آپ میں نہ رہا۔ غور سے میری بات سن اور میری نصیحت گرہ میں باندھ لے۔ جس وقت تو اُس دشت کے رقیب پہنچے گا تجھے ایسی جگہ لے جایا جائے گا جہاں چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اُسے ظلمات کہتے ہیں۔ تو چپ چاپ چلتے رہنا۔ وہاں بہت سی حسین لڑکیاں اور طرح طرح کی دلکش چیزیں تجھے اپنی طرف متوجہ کریں گی، تو کسی طرف دھیان نہ دینا۔ وہیں ایک عورت تیرا ہاتھ پکڑ کے دشتِ ہویدا میں پہنچا دے گی۔''

صبح کو حاتم اس سے رخصت ہوکر اپنی منزل کی طرف چل دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد اندھیرے راستوں سے گزرتا ہوا ایک تالاب کے کنارے جا پہنچا۔ ایک حسین لڑکی تالاب سے نکلی اور اس نے حاتم کا ہاتھ پکڑ کر پانی میں غوطہ لگا دیا۔ حاتم کا پاؤں تہہ سے لگا تو آنکھیں کھول دیں۔ خود کو اس لڑکی کے ساتھ ایک خوب صورت باغ میں پایا۔

وہ تو ہاتھ چھڑا کر کسی طرف غائب ہوگئی۔ایک طرف سے ہزاروں حسین لڑکیاں، خوب صورت لباس پہنے، سر سے پیر تک گہنوں میں لدی ہوئی نکل آئیں اور رقص کرنے لگیں۔ حاتم کو باغ کے مالک کی نصیحت یاد تھی۔ اس نے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

آخر کار وہ حاتم کو ایک ایسے مکان میں لے گئیں جو جواہر، لعل اور یاقوت سے بنا تھا۔ بیچوں بیچ ہیروں سے جڑا ایک شاندار تخت تھا جیسے ہی حاتم تخت کے قریب پہنچا وہ سب لڑکیاں بت بن بن کر دیواروں سے چپک گئیں اور محل کی دیواروں سے اَن گنت پریاں نکل کر رقص کرنے لگیں۔ حاتم حیران تھا کہ الٰہی یہ کیا کرشمہ ہے۔

حاتم تخت کے پاس تو پہنچ ہی چکا تھا۔ دل میں کہنے لگا یہاں تک آ پہنچا ہے تو ذرا دیر کو اِس تخت پر بھی بیٹھ لو۔ یہ سوچ کر اُس نے تخت پر پاؤں رکھا۔ ساتھ ہی ایک تڑاقے کی آواز ہوئی اور بت بن جانے والی لڑکیوں میں سے جو سب سے خوب صورت تھی پھر بت سے انسان کے روپ میں آ گئی اور ناز و انداز سے چلتی ہوئی حاتم کے قریب آ پہنچی۔ چہرے پر ہلکی نقاب پڑی تھی۔ جی تو چاہا آگے بڑھ کر نقاب ہٹا دے اور اس کی صورت دیکھے مگر اُس مرد کی نصیحت یاد آ گئی۔ فوراً سنبھل گیا۔

اب حاتم اس انتظار میں رہا کہ یہ عورت میرا ہاتھ پکڑتی ہے یا کیا کرتی ہے۔ تین دن اور تین راتیں اسی انتظار میں گزر گئیں اور حاتم اسی طرح تخت پر بیٹھا رہا۔ چوتھے دن اس نے سوچا اگر اسی طرح بیٹھا رہا تو جگ بیت جائیں گے۔ منیر شامی بیچارہ انتظار میں جان گنوا دے گا۔ اب جو ہونا ہے جلد ہو جائے۔ یہ سوچ کر اس حسینہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ فوراً تخت کے نیچے سے ایک اور خوب صورت عورت نکلی۔ اس نے ایک لات ایسی ماری کہ یہ کہیں کا کہیں جا پڑا۔ سر اٹھا کر دیکھا تو نہ وہ محل ہے، نہ وہ تخت اور نہ وہ حسینہ۔ ایک لق و دق جنگل ہے جس کا اور چھور دکھائی نہیں دیتا۔

اب حاتم کو اندازہ ہوا کہ دشتِ ہویدا یہی ہے۔ وہ شخص بھی یہیں ہوگا جو کہتا ہے کہ ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے۔ اُسے ڈھونڈنا چاہیے۔ اسی خیال میں اِدھر اُدھر

پھرتا تھا۔ اتنے میں یہ آواز اُس کے کان میں آئی کہ ''ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے۔'' یہ آواز سات دن تک دن میں تین دفعہ اُس کے کان میں آتی رہی۔ آٹھویں دن جب شام کے وقت وہ آواز سنائی دی تو وہ اس کی طرف دوڑا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سفید داڑھی والا ایک بزرگ بیٹھا ہے۔ یہ اُس کے آگے گیا اور سلام کیا۔ اس نے پوچھا ''اے جوان! تو کہاں سے آیا ہے اور اس جنگل میں تیرا کیا کام ہے؟''

حاتم نے کہا ''میں یہ جاننے کے لیے یہاں تک آیا ہوں کہ تم نے ایسا کیا دیکھا ہے جسے دوبارہ دیکھنے کی آرزو رکھتے ہو؟''

بوڑھے نے کہا ''اے مسافر! ایک دن میں سیر کرتا ہوا کسی تالاب کے کنارے جا نکلا اور کنارے پر بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگا۔ اتنے میں ایک حسین عورت تالاب سے نکلی اور میرا ہاتھ پکڑ کر اس میں لے گئی۔ تہہ سے پاؤں ٹکے تو میں نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک طرف سے حسین عورتوں کا غول نکلا اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک محل میں لے گئیں وہ خود تو بت بن بن کر دیواروں سے چپک گئیں اور دیواروں سے پریاں نکل کر ناچنے لگیں۔ میں تخت پر بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگا۔ اتنے میں ایک حسینہ منہ پر نقاب ڈالے پاس آ کھڑی ہوئی۔ میں نے نقاب ہٹائی تو عجب حسن دیکھا۔ جی جان سے اُس پر فدا ہوگیا۔ میں نے اُس کا ہاتھ پکڑا ہی تھا کہ تخت کے نیچے سے ایک اور حسین عورت نکلی۔ اُس نے ایک ایسی لات ماری کہ میں اِس ویران جنگل میں آ پڑا۔ اُسی دن سے آٹھویں پہر رونے کے سوا کچھ کام نہیں۔ لاکھ چاہتا ہوں کہ اُسے دل سے بھلا دوں پر یہ ممکن نہیں۔''

حاتم بات کی تہہ کو پہنچ گیا۔ کہا ''اے بزرگ! میرے ساتھ آ۔ وہ محفل میں تجھے دکھاؤں گا۔ اگر چاہتا ہے کہ اُس حسینہ کو ہمیشہ دیکھتا رہے تو اُس کا ہاتھ کبھی نہ پکڑنا۔ نہ کبھی اس کے چہرے سے نقاب الٹنا۔ وہ ساری عمر تیرے آگے ہاتھ باندھے کھڑی رہے گی۔ اگر اس کا ہاتھ پکڑے گا تو پھر اسی سنسان جنگل میں آ پڑے گا اور قیامت تک اس محل میں داخل نہ ہو سکے گا'' یہ کہہ کر حاتم اُسے تالاب کے قریب لے گیا۔ وہاں پھر وہی عورت نکلی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر تہہ میں لے گئی۔

ایک سوال کا جواب لے کر حاتم شاہ آباد کی طرف روانہ ہوا۔ راستے کی مصیبتیں جھیلتا ہوا اپنی منزل پر جا پہنچا۔ حسن بانو کے ملازم اُسے ہاتھوں ہاتھ حویلی تک لے گئے اور حاتم کے صحیح سلامت لوٹ آنے کی اطلاع کرائی۔ سنتے ہی حسن بانو نے بلوا کر پردے کے پاس بٹھایا اور حال پوچھا۔

حاتم نے اُس آدمی کا سارا قصہ سنا دیا اور یہ بھی بتایا کہ ''وہ آدمی جس کو دیکھنے کے لیے بے چین تھا اب پھر اُس کے پاس جا پہنچا ہے۔ اس لیے اب جنگل سے وہ آواز آنی بند ہوگئی ہے۔'' یہ سن کر حسن بانو اور اس کی دائی نے حاتم کی ہمت کی داد دی۔

حاتم نے کہا ''پہلے سوال کا جواب تو مل گیا۔ اب دوسرا سوال بیان کرو۔'' حسن بانو نے کہا ''اے حاتم! تو بہت دکھ سہہ کر آیا ہے۔ کچھ دن آرام کر لے۔'' حاتم نے کہا ''آرام تو مجھے اُسی دن ملے گا جس دن میں تیرے ساتوں سوالوں کے جواب لا دوں گا۔'' یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور آٹھ روز تک منیر شامی کے پاس رہا۔ نویں روز حسن بانو سے جا کر کہا کہ ''تیرا سوال کیا ہے۔ خدا کے واسطے جلد کہہ۔''

(جاری)

■

ماخذ: حاتم طائی کا قصہ، **مرتب:** نورالحسن نقوی، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

آدمی کے دل کا شیشہ اتنا نازک ہے عروج
اک ذرا سی ٹھیس لگنے سے یہ چکنا چور ہے
(عروج)

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے
(اقبال)

تحصیلِ علوم کر کہ دولت ہے یہی
اخلاق درست کر کہ زینت ہے یہی
(اکبر)

آج بھی ملتے ہیں وہ لوگ جہاں میں یارو
اپنے کردار سے دشمن کو جھکا دیتے ہیں
(فاطمہ ردا)

اے ظفر چاہیے انساں کو کہے ایسی بات
کہ برا بھی نہ کہے کوئی گر اچھا نہ کہے
(ظفر)

خموش اے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں
(اقبال)

نقش تہذیب کا ہے عنوانِ اردو
آسمانوں سے ہے اونچا مقامِ اردو
یہ فقط امت اسلام کی میراث نہیں
کیفی و کرشن بھی ہیں آج امامِ اردو
(امرت لال)

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے
(داغ دہلوی)

مغرب کی وادیوں میں مشرق کی محفلوں میں
ہر سمت نغمہ خواں ہے اردو زباں ہماری
ہر شعبۂ ادب پر اردو کا ہے تسلط
دنیا پہ حکمراں ہے اردو زباں ہماری
اک حسنِ جاوداں ہے اک رنگِ بے خزاں ہے
ہر لحظہ نوجواں ہے اردو زباں ہماری
سو بولیوں کو اس نے آغوش میں لیا ہے
اب ہر زباں کی ماں ہے اردو زباں ہماری
(خاموش سرحدی)

■ انتخاب بن تنویر

4-G تکنیک کیا ھے

ہندوستان میں اب ہر موبائل 4-G تکنیک نیٹ ورک سے لیس ہو رہا ہے۔ ہندوستان کی ٹیلی کام کمپنیاں بازار میں اس کا تیزی سے پھیلاؤ کر رہی ہیں۔ 4-G سے لیس موبائل سے بات کرتے وقت تمھیں آواز کی بہتر کوالیٹی اور اس سے انٹرنیٹ استعمال کرتے ہوئے تمھیں 3-G سے کہیں زیادہ تیز اسپیڈ انٹرنیٹ کی سہولت ملتی ہے۔ تمہارے دل میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہوگا کہ یہ 4-G آخر ہے کیا؟ یہ کیسے کام کرتا ہے اور کیا وجہ ہے کہ یہ دیگر جنریشن سے کافی تیز ہے۔

دراصل 4-G موبائل ٹکنالوجی کی چوتھی سیڑھی ہے۔ چوتھی سیڑھی کا مطلب ہے کہ اس سے پہلے 1-G، 2-G، اور 3-G رہ چکی ہے۔ 1-G سے پہلے لوگ کیبل والے فون استعمال کرتے تھے۔ یعنی وائرلس تکنیک کی شروعات 1-G سے ہوئی۔ اس وقت انٹرنیٹ ڈیٹا کی رفتار بہت کم تھی۔ 4 سے 5 ایم بی کے گانے ڈاؤن لوڈ کرنے میں گھنٹوں لگ جاتے تھے۔ 2-G میں بھی انٹرنیٹ براؤزنگ کے علاوہ انٹرنیٹ اسپیڈ کافی دھیمی تھی جس کی وجہ سے انٹرنیٹ ویڈیو دیکھ پانا مشکل تھا۔ 3-G کے آتے ہی موبائل ٹیلی ویژن کے راستے کھل گئے۔ اس کی 21MBPS کی اسپیڈ لوگوں کو لُبھا رہی تھی۔ ہندوستان میں 2015 میں 4-G نے دستک دی تھی۔ حالانکہ اس ٹکنالوجی کی شروعات 2000 میں ہو چکی تھی۔ یہ تکنیک 3-G کے مقابلے پانچ سے دس گنا زیادہ تیز ہے۔ 4-G کو موبائل انقلاب کا سبب مانا جا رہا ہے۔ اس کے پورے طور پر کام شروع کر دینے پر اسمارٹ فون کی اسپیڈ تیز ہو جائے گی۔

ایک بات دھیان میں رہے کہ اگر تمھارے موجودہ اسمارٹ فون یا ٹیبلیٹ میں 4-G سپورٹ نہیں کرتا ہے تو تمھیں 4-G سپورٹ کرنے والا فون لینا ہوگا۔ 3-G سپورٹیڈ فون میں تم اس ہائی اسپیڈ تکنیک کا مزہ نہیں لے سکو گے۔

کیوں خاص ہے 4-G تکنیک

اس میں وائس ڈاٹا اور ملٹی میڈیا ویڈیو تمھیں کہیں بھی اور کبھی بھی حاصل ہو سکے گا۔ 4-G تکنیک پوری طرح I.P. Entrygrated System پر منحصر ہے۔ اس وجہ سے یہ تکنیک کافی محفوظ ہے۔ یہ 100MB فی سکنڈ سے 1GB فی سکنڈ تک انٹرنیٹ اسپیڈ دینے میں اہل ہے۔ 4-G موبائل، 2-G موبائل سے تقریباً دو سو گنا اور 3-G موبائل سے تقریباً دس گنا تیز ہوں گے۔ یہ تکنیک، اعلیٰ سطح کی خدمات، جیسے کہ وائرلیس براڈ بینڈ ایکسیس، ملٹی میڈیا میسیجنگ، ویڈیو چیٹ، موبائل ٹی وی اور ویڈیو ٹرانسمیشن جیسی خدمات پیش کرنے میں پوری اہلیت رکھتی ہے۔

■

Intekhab Bin Tanweer
59, Chuna Shah Colony,
P.O.: Mango, Jamshedpur-831012 (Bihar)

انصاری محمد شاہین

ہمارا ہندوستان

سارے جہاں سے اچھا: جب پہلے ہندوستانی خلا باز راکیش شرما خلا میں پہنچے تو وزیراعظم اندرا گاندھی صاحبہ نے پوچھا ''خلا سے ہمارا ملک کیسا نظر آتا ہے؟'' تو جواب ملا ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا۔''

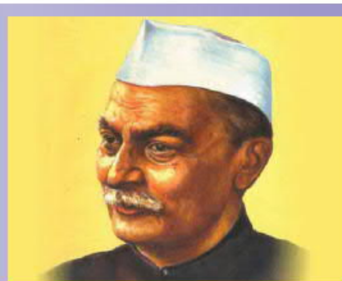

نصف تنخواہ: ہندوستان کے پہلے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد اپنی تنخواہ کا نصف حصہ لیتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ نصف تنخواہ میں ان کی گزر اوقات آسانی سے ہوجاتی ہے۔ وہ بارہ سال تک صدر جمہوریہ رہے۔ آخر ایام میں وہ تنخواہ کا صرف 25% حصہ لیتے تھے۔ اس وقت ان کی تنخواہ دس ہزار روپے تھی۔

یومِ سائنس: 2006 میں ہندوستان کے میزائل مین اور سابق صدر جمہوریہ اے پی جے عبدالکلام صاحب سوئٹزرلینڈ تشریف لے گئے تھے۔ ان کے اعزاز میں سوئٹزرلینڈ کی حکومت نے 26 مئی کو ہر سال یومِ سائنس منانے کا اعلان کیا۔

پہلا راکٹ: ہندوستان کا پہلا راکٹ اتنا چھوٹا اور ہلکا تھا کہ تھمبا لانچنگ اسٹیشن تھیروونتھاپورم (Thiruvananthapuram) (کیرالہ) تک سائیکل پر لے جایا گیا تھا۔

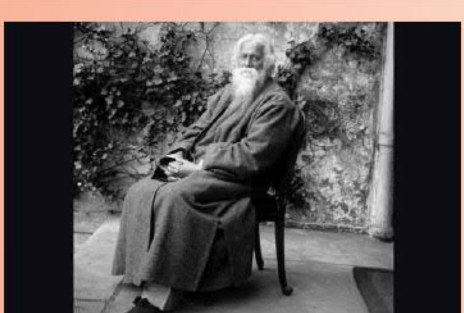

قومی ترانہ: ہندوستان کا قومی ترانہ ''جن گن من'' رابندر ناتھ ٹیگور نے بنگالی زبان میں لکھا تھا انھیں بنگلہ دیش کا قومی ترانہ ''امر سونار بنگلہ'' بھی لکھنے کا اعزاز حاصل ہے۔ انگریز حکومت نے ان کو ''سر'' کے خطاب سے نوازنا چاہا مگر ٹیگور نے انکار کردیا کیونکہ انگریزوں نے جلیان والا باغ میں بے قصور ہندوستانیوں کا قتل عام کیا تھا۔

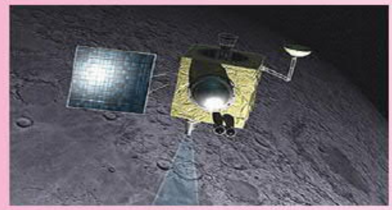

چاند میں پانی: ہندوستانی سائنس دانوں نے دریافت کیا کہ چاند پر پانی موجود ہے۔ ستمبر 2006 میں ہندوستانی اِسرو (Esro) چندریان اوّل نے چاند پر کھدائی کے وقت پہلی بار دریافت کیا کہ چاند پر پانی بھی ہے۔

ہاکی کا جادوگر: جب 1936 کے برلن اولمپک میں ہندوستان نے جرمنی کو 1-8 سے شکست دی تو ہٹلر نے ہندوستانی ٹیم کے کپتان میجر دھیان چند کو طلب کیا اور جرمنی کی شہریت عطا کی جو کہ ایک بڑا اعزاز تھا۔ ساتھ ہی ہٹلر نے یہ خواہش ظاہر کی کہ دھیان چند جرمنی کے لیے کھیلیں۔ مگر دھیان چند نے ان کی پیش کش کو قبول نہیں کیا۔

کرکٹ گراؤنڈ: چیل (Chail) ہماچل پردیش کا جو کرکٹ گراؤنڈ ہے۔ دنیا کا بلند ترین گراؤنڈ ہے۔ سطح سمندر سے اس کی اونچائی 2444 میٹر ہے۔ یہ گراؤنڈ 1893 میں تعمیر ہوا تھا۔ یہ چیل ملٹری اسکول کا ایک حصہ ہے۔

سب سے زیادہ بارش: کوہ کھاسی (Khasi Hills) میگھالیہ کا ایک دیہات ماؤسی نرم (Mawsy Nram) دنیا کا سب سے زیادہ بارش والا علاقہ ہے۔ چراپونجی میگھالیہ 1861 میں سب سے زیادہ بارش والا علاقہ ریکارڈ کیا گیا۔

تیرتے ہوئے ڈاک خانے: دنیا میں سب سے زیادہ ڈاک خانے ہندوستان میں ہیں۔ جن کی تعداد ایک لاکھ بچپن ہزار پندرہ ہے۔ ایک ڈاک خانہ اوسطاً 7175 لوگوں کی خدمات انجام دیتا ہے۔ ڈل جھیل شری نگر میں تیرتے ہوئے ڈاک خانے اگست 2011 میں جاری ہوئے۔

سمندری پل: باندرہ اور ورلی (ممبئی) کو جوڑنے والے سمندری پل میں جو تار استعمال ہوئے ہیں وہ زمین کے محیط کے برابر ہیں۔ ان کا وزن پچاس ہزار افریقی ہاتھیوں کے برابر ہے۔ یہ انجینئرنگ کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

شیمپو (Shampoo): شیمپو خالص ہندوستانی دوا ہے۔ انگریزوں نے چمپو کو شیمپو بنا دیا۔ چمپو سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ملنا یا مالش کرنا۔ چمپو ہندوستانی جڑی بوٹیوں کا عرق ہے۔ چمپو بگڑ کر چمپی بنا۔

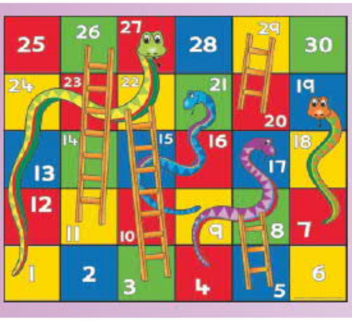

سانپ سیڑھی: خالص ہندوستانی کھیل ہے۔ اس کا اصل نام موکشا پٹانو(Moksha Patanu) ہے۔ اس کا مقصد تھا بچوں کی اصلاح کرنا۔ سانپ بدی کی علامت ہے اور سیڑھی نیکی کا راستہ۔ کھیل کھیل میں بچے نیکی و بدی کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہ کھیل اتنا مقبول ہوا ہے کہ ساری دنیا کے بچے کھیلنے لگے۔

کبڈی: آج تک کھیلے گئے پانچوں عالمی کبڈی کپ ہندوستانی قومی کبڈی ٹیم نے جیتے ہیں۔ اسی طرح خواتین کی ٹیم نے بھی تمام کپ جیتے ہیں۔ ہندوستان کبڈی کا عالمی چیمپین ہے۔

غذائیں: (سبزی ترکاری)

سبزی خور: دنیا میں سب سے زیادہ سبزی خور ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ خواہ مذہبی نقطہ نظر سے خواہ پسندیدگی کی نظر سے ایک سروے کے مطابق 20 تا 40 فیصد ہندوستانی سبزی خور ہیں۔

دودھ: دنیا میں سب سے زیادہ دودھ ہندوستان میں ہوتا ہے۔ ایک سروے کے مطابق 2014 میں ہندوستان نے یوروپین ممالک کو پیچھے چھوڑ دیا۔

شکر: دنیا میں سب سے زیادہ شکر استعمال کرنے والا ملک ہندوستان ہے۔ ہندوستان نے سب سے پہلے شکر کو پاک وصاف کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔ یہ تکنیک دوسرے ممالک نے ہم سے سیکھی۔

پنچ تنتر کی کہانیاں: پنچ تنتر کی کہانیاں خالص ہندوستانی ادب ہیں۔ تیسری صدی ق م میں ایک کشمیری عالم پنڈت وشنوشرما نے سنسکرت زبان میں لکھی تھی۔ یہ کہانیاں ایک راجہ کے لڑکوں کی اصلاح کرنے کی غرض سے لکھی گئی تھیں۔ پنڈت وشنوشرما نے کہانیوں کو ایک بالکل نئے انداز میں پیش کیا یعنی جانوروں اور پرندوں کو انسانی کردار بنا کر پیش کیا۔ جانوروں اور پرندوں کو انسانوں کی طرح بولنا اور دیگر اعمال کرنا راجکماروں کو بہت اچھا لگا۔ کہانیوں کے ذریعے پنڈت نے گر کی باتیں بتائیں۔ اصلاح کی اور انھیں حکومت کرنے کے قابل بنا دیا۔ پنچ تنتر کی کہانیوں کی مقبولیت اتنی ہوئی کہ دنیا کی تقریباً ہر زبان میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ لیکن جو شہرت اور مقبولیت امریکہ کے والٹ ڈزنی (Walt Disney) کو ہوئی۔ وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ والٹ ڈزنی نے ان کہانیوں کو باتصویر بنا کر (Cartoon) پیش کیا۔ پھر ان کی فلمیں بھی بنائیں۔ اس طرح انھوں نے پنچ تنتر کی کہانیوں کی بنیاد پر اپنی خود کی کہانیاں تخلیق کیں جن میں مکی ماؤس، ڈونالڈ ڈک اور لیڈی ٹریمپ کافی مشہور ہوئیں۔

انسانی کیلکو لیٹر: ہندوستانی ماہر ریاضی داں خاتون شکنتلا دیوی کو تیرہ ہندسوں والی دو رقموں کو ضرب کرنے کو دیا گیا۔ انھوں نے صرف 28 سیکنڈ میں یہ حساب حل کر دیا تو انھیں انسانی کیلکو لیٹر کا خطاب دیا گیا۔ کیسے کیسے باہنر افراد ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ آفریں صد آفریں۔

Ansari Mohd Shaheen
Atfal Book Dipo 361 Mohd Ali Road Shahar
Malegaon - 423203 (Maharashtra)

عبدالمغیث عبدالعظیم

بوجھو تو جانیں

✪ دیے گئے جملوں میں جانوروں کے نام چھپے ہوئے ہیں دیکھتے ہیں آپ ان کو تلاش کر لیتے ہیں یا نہیں؟

(1) یہ شیشی رؤف کی ہے۔ (شیر)
(2) کابلی چنا سستا نہیں ہوتا۔
(3) میری کتاب بہت قیمتی ہے۔
(4) دروازہ بند رکھو۔
(5) ابوبکر یہاں آؤ۔
(6) انگور کی بیل نئی ہے۔
(7) میری چاچی تالا لائے گی
(8) گوہر نیر کا دوست ہے
(9) گدھ ایک خطرناک پرندہ ہے
(10) ہاتھ یہاں دھوؤ۔

☯ دیے گئے جملوں میں اسکول میں کام آنے والی چیزوں کے نام تلاش کریں:

(1) میرا رب رحمٰن ہے۔ (ربر)
(2) کلاس میں کم پاس لڑکے زیادہ ہیں۔
(3) پینی سلین کے انجکشن کہاں ملتے ہیں۔
(4) یہ شاپ نریش بھائی کی ہے۔
(5) کتا بکری کو دوڑا رہا ہے۔
(6) اس کا پیٹ دکھ رہا ہے۔
(7) ذاکر سیا چین جانے والا ہے۔
(8) میرا نیا ٹیب لئیق کے پاس ہے۔
(9) قل معنی کہہ دو ہے۔
(10) بیگم حضرت محل مجاہدۂ آزادی تھیں۔

✠ پرندوں کے نام تلاش کیجیے:

(1) سب کو ایک اللہ پالتا ہے (کوا)
(2) میں ناسک جاؤں گا۔
(3) میری چاچی لعل پور میں رہتی ہیں۔
(4) جنگ کا بگل آج ہی بجا دو۔
(5) کوئی لال کلر لائے۔
(6) عامر غالب کے اشعار یاد کر رہا ہے۔
(7) لالو کالو کا بھائی ہے۔
(8) گدھا خچر سے چھوٹا ہوتا ہے۔
(9) کب وتر کی نماز پڑھو گے۔
(10) یہ بلب لے کر جاؤ۔

■

Abdul Moghees Abdul Azeem
906, Hazar Kholi, Malegaon, Maharashtra

ادارہ

ہماری زبان

دوستو! ہم سب اِس بات سے واقف ہیں کہ اردو بے حد شیریں زبان ہے اور ساری دنیا میں مقبول ہے۔ اردو جاننے اور بولنے والے کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن درست اردو اور صحیح اردو جاننا بھی ہمارے لیے ضروری ہے۔ اِس کالم کے تحت ہم روزمرہ میں اردو کے استعمال سے متعلق کچھ کارآمد چیزیں پیش کریں گے جسے یقیناً آپ سب پسند کریں گے۔ (ادارہ)

عام	خاص کی ضد	آم	پھل
عزم	ارادہ	عظم	ہڈی
عَلَم	جھنڈا	اَلَم	رنج
ماحی	مٹانے والا	ماہی	مچھلی
عسل	شہد	اصل	حقیقی

ہم آواز الفاظ

الفاظ	معنیٰ	الفاظ	معنیٰ
اَرض	زمین	عرض	گذارش
اقارب	جمع قریب کی عزیز	عقارب	جمع عقرب کی
اَمارت	حکومت	عمارت	مکان
ایال	گھوڑے کی گردن کے بال	عیال	بال بچے
احرام	بے سلا کپڑا جو حاجی حج کے موقعے پر پہنتے ہیں	اہرام	مصر کے بازار
بعض	کچھ	باز	شکاری
ثمر	پھل	سمر	قصہ
ثواب	نیک کام کا بدلہ	صواب	ٹھیک
حَرَج	تنگی	ہَرَج	ہنگامہ
ذَلالت	ذلیل ہونا	ضلالت	گمراہی
روزہ	عبادت	رَوضہ	باغ
زاہر	بلند	ظاہر	کھلا
سورت	قرآن کا حصہ	صورت	شکل

مترادف الفاظ

خدا	رب، اللہ، پروردگار، اوپر والا
چاند	ماہ، قمر، ہلال، بدر، ماہتاب
سورج	مہر، خورشید، آفتاب
آسمان	چرخ، فلک، گردوں
آنکھ	چشم، دید، بصر
دنیا	جگ، عالم، گیتی، سنسار
زمانہ	عصر، دور، عہد
دوست	یار، رفیق، حبیب
محبت	پیار، الفت، چاہ
عقل	فہم سمجھ، خرد، دانائی، دانش
امیر	مالدار، غنی، تونگر، متمول
غریب	مفلس، نادار
فقیر	گدا، بھکاری، بے نوا
غصہ	غضب، قہر
کرم	عنایت، مہربانی، فیض، نوازش
قبر	گور، لحد، تربت، مزار

نہا سلیم

دنیا کی کچھ اونچی عمارتیں

البروج البیت (سعودی عربیہ)

مکہ میں حرم شریف سے لگا ہوا یہ کلاک ٹاور، مکہ رائل کلاک ٹاور ہوٹل کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ مکہ مکرمہ اور مسجد الحرام کی اضافی شان ہے۔ یہ کلاک ٹاور شاہی ملکیت میں ہے اور شاہ عبدالعزیز کے خوابوں کی تعبیر بھی ہے۔ اس کی تعمیر کا زمانہ 2004 سے 2011 تک ہے۔ اس کی اونچائی 601 میٹر (1972 فٹ) ہے۔ یہ دنیا کے 3 بلند ترین کلاک ٹاورز میں سے ایک ہے۔ مکہ مکرمہ میں آپ کسی بھی علاقہ میں ہوں یہ کلاک ٹاور نظر آتا ہے۔ اِس کی بلندی پر چاروں سمت گھڑیاں نصب ہیں۔ اس گھڑی کا محیط 43M ہے۔ 2012 میں مندوبین، حاجیوں اور عام لوگوں کے لیے یہ ہوٹل اور رہائش گاہ کھول دی گئی تھی۔ 120 منزلہ اس کلاک ٹاور میں 96 لفٹ شب و روز مصروف رہتی ہیں۔ اِس میں کشادہ مسجد ہے جس میں دس ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔

اسکائی ٹری Sky Tree، (ٹوکیو کا ملٹی پرپز ٹاور)

جاپان کی راجدھانی میں اسکائی ٹری 2008 سے فروری 2012 کے عرصہ تک تعمیر ہوتا رہا۔

اِس بلند و بالا عمارت میں عالیشان ریزورٹس رسد گاہیں (Observetories) پب، کافی ہاؤس ملٹی میڈیا آفس و دفاتر طعام خانے، گولف اور دیگر اسپورٹس کلبوں کی بکنگ آفس نیز مختلف ٹریول ایجنسیز کے شاندار آفس، سوئمنگ پول، جم خانے غرض کہ عیش و عشرت اور لذت کام و دہن کے تمام سامان موجود ہیں۔ آج کل یہ جاپان کی بلند ترین اور خوب صورت ترین عمارتوں میں شامل ہے۔ 22 مئی 2012 کو اِسے سیاحوں اور عام انسانوں کے لیے کھول دیا گیا تھا۔ اسے ٹوبوٹاور اور اسکائی ٹری کارپوریشن کی ملکیت بتایا جاتا ہے۔

129 منزلہ اِس عمارت میں 16 لفٹ ہیں۔ اِس کی بلندی 634 میٹر (2080 فٹ) ہے۔

(یواےای) پرنسیز ٹاور (UAE) Princes Tower

محل وقوع: دُبئی (یواےای)، متحدہ عرب امارات
اونچائی: 414M یا 1358 فٹ
تکمیل: 2012

دبئی کے برج خلیفہ کے بعد دنیا کی یہ دوسری بلند ترین عمارت ہے۔ 37410 مربع میٹر پر یہ بلڈنگ محیط ہے۔ اِس بلند وبالا خوب صورت عمارت میں 763 محل نما فلیٹ ہیں۔ اِس بلڈنگ کا کام 2006 میں شروع ہوا اور 6 سال میں اِس کی تعمیر پوری ہوگئی۔

اس عمارت کا Blue Print مشہور زمانہ آرکی ٹیکٹ سعید ماجد ہاشمی نے تیار کیا۔ تعمیر کی ذمہ داری ''تمیر ہولڈنگ انوسٹ منٹ'' (سعودی عربیہ) نے لی تھی۔ اِس میں تیرہ لفٹیں شب و روز کام کرتی ہیں۔ سعودی عرب کا رخ کرنے والے سیاحوں اور مسافروں میں زیادہ تر اِسی عمارت کو بطورِ قیام گاہ ترجیح دیتے ہیں۔

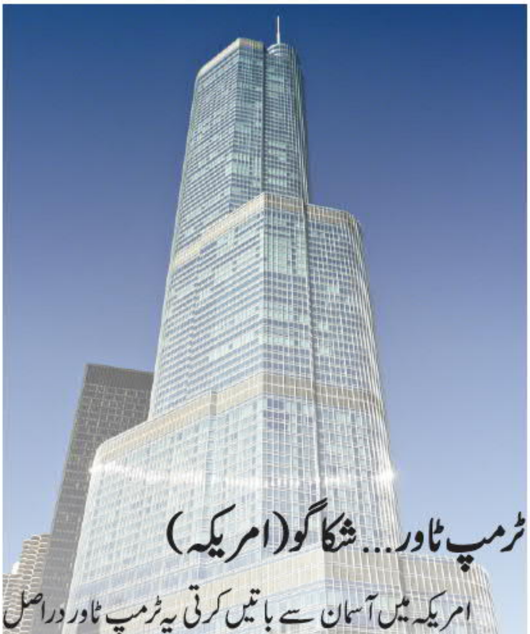

ٹرمپ ٹاور... شکاگو (امریکہ)

امریکہ میں آسمان سے باتیں کرتی یہ ٹرمپ ٹاور دراصل ٹرمپ انٹرنیشنل ہوٹل اور ٹاور کی ملی جلی عمارت ہے۔ اِسے ٹرمپ ٹاور شکاگو کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ 2001 تک یہ دنیا کی بلند ترین عمارتوں میں شمار ہوتی تھی۔ یہ امریکہ کے شہر شکاگو کی نامی گرامی عمارتوں میں سے ایک ہے۔ اِس کی بلندی 423 میٹر یا 1389 فٹ ہے۔ اس کا تعمیری کام 2009 میں پورا ہو چکا تھا آڈرین اسمتھ، اونگز اور موریل کی مشترکہ جدوجہد سے اس کی تعمیر اور Blue Print پایۂ تکمیل کو پہنچی 2008 میں شکاگو کی اس فایواسٹار ہوٹل کے 339 کمروں میں رہائش دی جاچکی تھی۔ ان کے جمع شدہ ڈپازٹ اور کرایہ سے عمارت کی بقیہ تعمیر کی گئی۔

اِس عمارت سے دریائے شکاگو کے خوب صورت نظارے دلوں کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں۔

■

Nehan Saleem
18, Hazar Kholi (M.H.B. Colony), 1st Lane,
Malegaon - 423203 (Nasik)

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

کولکاتا کے کچھ مشہور اور اہم سیاحتی مقامات

وکٹوریہ میموریل

ٹیپو سلطان مسجد

ماربل پیلیس

ایشیاٹک سوسائٹی

بنڈیل چرچ، ہگلی

نکو پارک

نیشنل لائبریری

انڈین میوزیم

ایڈن گارڈن اسٹیڈیم

برلا پلانیٹوریم

رائٹرس بلڈنگ

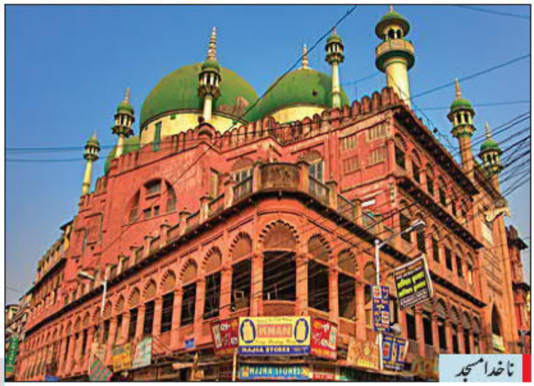

ناخدا مسجد

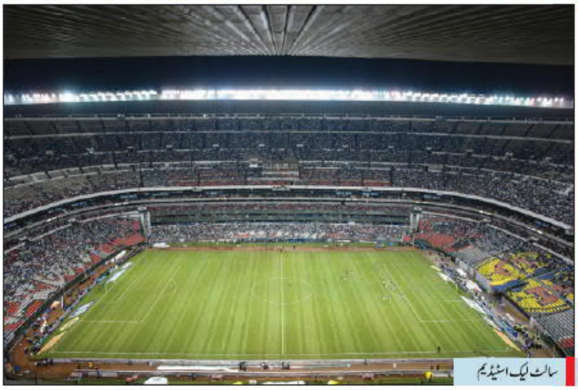

سالٹ لیک اسٹیڈیم

واجد علی شاہ کا امام باڑہ

سائنس سٹی

دکشنیشور مندر

شہید مینار

جوراسانکو ٹھاکر باڑی

ہنگیشوری مندر

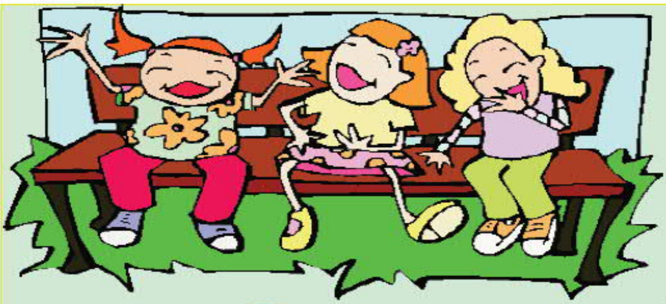

ہنسی کے غبارے

وزیر کے گھر میں انڈوں سے چوزے نکلے تو بادشاہ سلامت زندہ باد کے نعرے لگانے لگے۔

وزیر نے وہ چوزے شاہی محل میں پہنچا دیے۔ دوسرے دن بادشاہ نے غضب ناک ہوکر پوچھا۔ یہ کیا گستاخی ہے یہ چوزے کیا بک رہے ہیں۔ یہ حضور زندہ باد کہہ رہے ہیں۔ نہیں بادشاہ نے غصے سے کہا اور چوزوں کو دربار میں منگوایا۔ چوزے بادشاہ سلامت مردہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ وزیر نے عرض کیا۔ جناب میرے گھر میں زندہ باد کے نعرے ہی لگا رہے تھے مگر اس وقت تک ان کی آنکھیں نہیں کھلی تھیں۔

استاد: (لڑکے سے) تمھارا سارے کا سارا مضمون غلط ہے۔ میں تمھارے والد سے شکایت کروں گا۔

لڑکا: جناب یہ مضمون میرے والد ہی نے تو لکھا ہے۔

ایک مسخرے سے کسی نے پوچھا کہ تمھارا رنگ کیوں کالا ہے تو اس نے فوراً شعر میں جواب دیا:

ہے رنگ میرا کالا فرشتوں کی بھول سے
اک تل بنا رہے تھے کہ سیاہی الٹ گئی

فقیر: ایک روپے کا سوال ہے بابا؟

اس آدمی نے جواب دیا ٹماٹر کھاؤ! اس نے پھر سوال کیا۔ اس نے پھر کہا ٹماٹر کھاؤ۔ آخر وہ فقیر ہار کر ساتھ والے شخص سے کہنے لگا: میں کب سے سوال کررہا ہوں کہ ایک روپے کا سوال ہے مگر جواب ملتا ہے ٹماٹر کھاؤ۔

یار یہ تو تلا ہے۔ یہ کہہ رہا ہے کہ کما کر کھاؤ۔

ایک آدمی بہت موٹا ہوتا جارہا تھا۔ ناشتے میں پندرہ پراٹھے اور دس چائے کی پیالیاں پی جاتا تھا وہ ڈاکٹر کے پاس دبلا ہونے کے لیے گیا۔

ڈاکٹر: تم کتنی روٹیاں کھاتے ہو؟

موٹا آدمی: پندرہ پراٹھے دس چائے کے کپ!

ڈاکٹر: اب تم تین پراٹھے اور ایک کپ چائے پیا کرو۔

''ڈاکٹر صاحب، یہ خوراک ناشتے سے پہلے کھاؤں یا ناشتے کے بعد۔''

موٹے آدمی نے فوراً پوچھا۔

الوینہ کاظمی

برائی کا انجام

بہت پہلے کی بات ہے۔ کسی گاؤں میں ایک زمیندار رہتا تھا۔ اس کی ایک عالیشان حویلی تھی۔ دولت نے زمیندار کو بے حد مغرور اور ظالم بنا دیا تھا۔ زمیندار کی خوبصورت حویلی کے قریب ہی ایک غریب چرواہے کی جھونپڑی تھی۔ وہ بھیڑ بکریاں بیچ کر اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالتا تھا۔ مغرور زمیندار یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ جھونپڑی ہٹا دے تا کہ اس کی خوب صورت حویلی بدنما نہ لگے۔

ایک مرتبہ زمیندار نے بہت سی کپاس سستے داموں میں خریدی اسے اپنی حویلی کے کمرے میں رکھ دیا۔ زمیندار کپاس کے دام بڑھنے کا انتظار کرنے لگا تا کہ زیادہ سے زیادہ نفع کما سکے۔ زمیندار چرواہے کی جھونپڑی ہٹانے کی ترکیب سوچنے لگا۔ ایک دن اس نے سوچا کیوں نہ جھونپڑی میں آگ لگا دی جائے اس طرح جھونپڑی میں اس کے بیوی بچے جل کر خاک ہو جائیں گے۔ نہ رہے بانس نہ بجے گی بانسری۔ آخر زمیندار نے جھونپڑی میں آگ لگا ہی دی۔

چرواہا اپنی جھونپڑی میں سویا تھا آگ کے شعلے اٹھے تو چرواہا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے جلدی سے اپنے بیوی بچوں کو باہر نکالا اس کے گھر میں اتنا پانی بھی نہ تھا کہ وہ آگ بجھا سکتا۔ پریشانی کی حالت میں وہ زمیندار کے پاس پہنچا اور مدد مانگی مگر مغرور زمیندار نے اسے بری طرح جھڑک دیا اور کہا ''آگ لگی ہے تو میں کیا کروں؟'' یہ جواب سن کر چرواہا کو سخت صدمہ ہوا وہ اپنی جھونپڑی کو جلتا ہوا دیکھتا رہا اور اپنی بے بسی پر آنسو بہاتا رہا۔ بے رحم زمیندار جھونپڑی کو جلتا ہوا دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ اللہ پاک مغرور اور ظالم لوگوں کو پسند نہیں کرتا یکا یک ہوا کا ایک جھونکا آیا غریب کی جلتی ہوئی جھونپڑی سے چنگاری اڑی اور کھڑکی سے ہوتی ہوئی زمیندار کے کپاس پر جا گری۔ دیکھتے ہی دیکھتے زمیندار کی ساری حویلی آگ کی لپیٹ میں آگئی۔ زمیندار نے جب حویلی کو جلتے ہوئے دیکھا تو اس کے غرور کا سارا نشہ ہرن ہو گیا آگ قابو سے باہر ہو چکی تھی۔

بڑی مشکل سے وہ اپنی جان بچا کر وہاں سے نکل سکا۔ تھوڑی دیر پہلے زمیندار غریب چرواہے کی جونپڑی کو جلتا دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ اب اس کی اپنی عالیشان حویلی راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکی تھی۔

یہ بات سچ ہے کہ برے کام کرنے والوں کا انجام ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے۔

■

Alveena Kazmi
Achalpur City Amravati Maharashtra

■ صدف معین

مادری زبان میں تعلیم کی اہمیت

ہمارے ملک میں بہت سی مادری زبانیں بولی جاتی ہیں۔ جیسے اردو، ہندی، گجراتی، مراٹھی، تمل، بنگالی وغیرہ سبھی لوگوں کی مادری زبانیں بھی الگ ہوتی ہیں۔ سبھی اپنی مادری زبانوں کو بخوبی جانتے ہیں اور سمجھتے بھی ہیں۔

مادری زبان میں تعلیم ہمارا پیدائشی حق ہے۔ اگر ہماری مادری زبان کو ہٹا دیا گیا تو بہت سے لوگوں کو کافی پریشانیاں ہوں گی۔ وہ اچھے سے پڑھ نہیں پائیں گے۔ سمجھ نہیں پائیں گے اور وہ زندگی میں پیچھے رہ جائیں گے۔

مادری زبان ہماری وہ زبان ہے جو ہم پیدائش کے بعد سیکھتے، بولتے ہیں۔ جو ہماری ماں ہم سے بچپن سے بولتی آ رہی ہیں۔ مادری زبان کو کوئی بھی تاعمر نہیں بھولتا۔

آج کل اسکولوں میں سبھی دفتر میں سبھی لوگ انگریزی کو اپنی بول چال میں استعمال کرتے ہیں اور اپنی مادری زبان کو بھولتے جا رہے ہیں۔ چاہے وہ اردو ہو، ہندی ہو، مراٹھی ہو، تمل ہو، گجراتی ہو، ملک کے ہر کونے میں انگریزی بولی جاتی ہے۔ اُستاد اپنے طلبا کو انگریزی بولنے پر زور دیتے ہیں۔ انگریزی بولیے انگریزی بولیے۔

اگر کوئی بچہ انگریزی نہیں بولتا ہے تو اسے سزا دی جاتی ہے۔ ہمارے یہاں کے ماحول/ سوسائٹی میں بھی انگریزی بولنے اور انگریزی اخبار پڑھنے پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے اور اگر کوئی اردو اخبار پڑھتا ہے تو اُسے حقارت بھری نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور اگر کوئی انگریزی کا اخبار پڑھتا ہے تو اسے بڑا اچھا اور بہت پڑھا لکھا جانا جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں اگر مادری زبان کو ترقی دینی ہے تو ہم سب کو اس کے لیے اپنی مادری زبان پر توجہ دینی ہوگی۔ کتابیں، رسالے، اخبارات زیادہ سے زیادہ پڑھنے ہوں گے اور لوگوں کو اپنی مادری زبان اردو میں سارے کام کرنے ہوں گے۔

ہماری تعلیم اگر مادری زبان میں ہوگی تو ہم تعلیم میں بہت آگے جائیں گے۔ اس لیے مادری زبان میں تعلیم کی بہت اہمیت ہے۔

■

Sadaf Moin
H-698, Near Iqra Girls Public School
Jaitpur Part - 2, Gaddha Colony, Badarpur
New Delhi 1100044

عرشیہ فاطمہ بنت اعجاز خان، جماعت ہفتم، قلندریہ اردو ہائی اسکول، منگروپیر، واشم مہاراشٹر

ابوبکر خدیجہ الکبریٰ، درجہ چہارم، وزڈم اسکول، پرنام بٹ، ضلع ویلور، تمل ناڈو

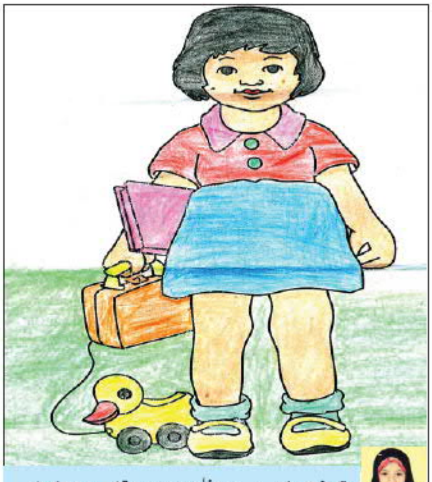

قرینہ حسین نائیک، درجہ چہارم، ضلع پریشد پورن پراتھمک اردو شاخ پاچل

ناظمیں پروین عبداللہ شاہ، درجہ نہم، سنجے گاندھی اردو ہائی اسکول، ہتھرون، تعلقہ: بالاپور، ضلع اکولہ

رضوانہ یونس منی پار، درجہ ششم، زیڈ پی اردو اسکول سبھاش نگر، شیر پور

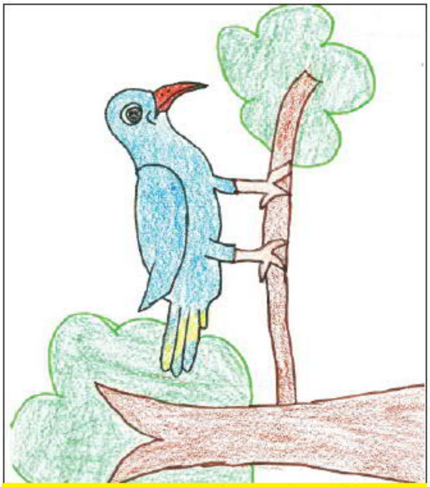

اقصیٰ ناز انیس خان، علی صاحب محلّہ، نندوربار

مینا ز مظفر، جماعت ہفتم، ضلع پریشد اردو اسکول، سبھاش نگر، تعلقہ شیر پور

انجم شیخ مظفر جماعت ہفتم، ضلع پریشد اردو اسکول، سبھاش نگر، تعلقہ شیر پور

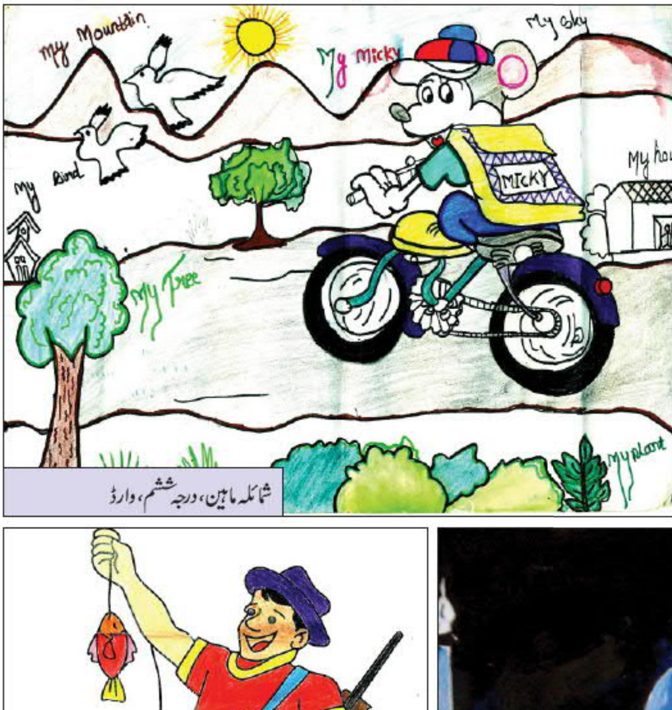

شمائلہ ماہین، درجہ ششم، وارڈ

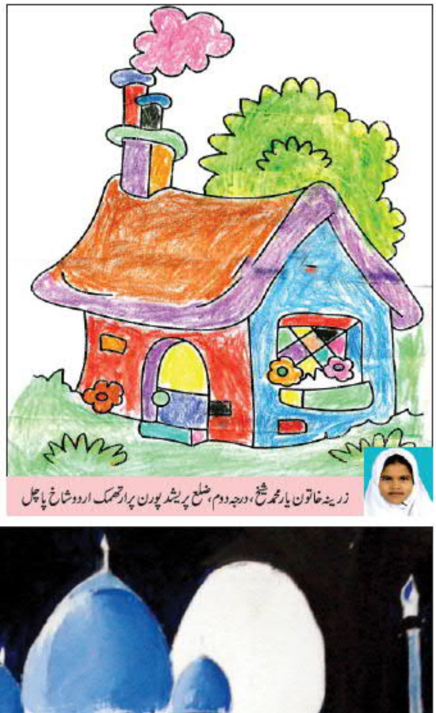

زرینہ خاتون یار محمد شیخ، درجہ دوم، ضلع پریشد پورن پرارتھمک اردو شاخ پاچل

شاداب رمضان بوبڈے، درجہ پنجم، ضلع پریشد پورن پرارتھمک اردو شاخ پاچل

شیخ زینب ظفر، درجہ ہفتم، النور گرلس ہائی اسکول، بھیونڈی

Facebook اردو فیس بک

❑ میرا نام یاسمین کوثر ہے۔ میرے والد کا نام اشفاق احمد ہے۔ میں قیوم کامپلیکس میں رہتی ہوں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے۔ مجھے بچوں کی دنیا میں ننھے فنکار کالم بہت اچھا لگتا ہے۔ مجھے Drawing کرنا بہت پسند ہے۔ کیا میں 'بچوں کی دنیا' میں Drawing بھیج سکتی ہوں۔

یاسمین کوثر اشفاق احمد، قیوم کامپلیکس، ویگلورنا کہ نانڈیڑ

❖ اپنی ڈرائنگ ضرور بھیجیں۔ (ادارہ)

❑ میرا نام مسکان بنت غلام ہے۔ میں اردو مڈل اسکول شاہ پور میں زیر تعلیم ہوں۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں کہ آپ نے اتنی اچھی میگزین اتنی کم قیمت میں دستیاب کی جس کو ہمارے اسکول کے سبھی بچے خریدتے ہیں۔ میں نے بھی کئی کہانیاں لکھی ہیں اور کئی نظمیں بھی لکھی ہیں۔ میں آپ سے گذارش کروں گی کہ آپ ہماری نظموں اور کہانیوں کو اپنے اس خوب صورت میگزین میں جگہ دیں اور ہماری حوصلہ افزائی کریں۔

مسکان بنت غلام، درجہ ہفتم، گورنمنٹ اردو مڈل اسکول شاہ پور، مدھیہ پردیش

❖ آپ اپنی کہانیاں اور نظمیں ضرور بھیجیں۔ اگر آپ کی تحریر اچھی ہوگی تو ہم ضرور شائع کریں گے۔ (ادارہ)

❑ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' این سی پی یو ایل کی بے انتہا محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے۔ یہ ہمیں ایک نئی دنیا کی سیر کراتا ہے۔ اس رسالے کے تاریخی مضامین ماضی کی یاد دلاتے ہیں تو سائنس کی الف لیلہ ہمیں جدید اور سائنسی ترقی کی معلومات دیتے ہیں۔

سید مفیض سید منظور، درجہ دہم، تاج نگر، نمبر 1، امراؤتی

❑ میں 'بچوں کی دنیا' ہر مہینے پڑھتی ہوں۔ دسمبر کے شمارے میں مجھے آگیا فیور، لایا ہوں میں لیمن چوس، اور کارٹون بہت پسند آئے۔

تسنیم طس، درجہ اوّل، ارقم اسکول کیرالہ ٹینگ، سوپور کشمیر

❑ میرا نام ناہید ہے۔ میں ہر ماہ بچوں کی دنیا پڑھتی ہوں جس سے مجھے اردو پڑھنا آسان ہوگیا ہے۔ میں بڑی بے چینی سے ہر ماہ 'بچوں کی دنیا' کا انتظار کرتی ہوں۔

صالحہ ناہید، درجہ ہفتم، عبدالقادر صدیقی گورنمنٹ اردو اسکول، برہان پور

❑ میرا نام مزمل نفیس علی بوبڑے ہے۔ ضلع پریشد اردو اسکول یاچل میں جماعت ششم کا طالب علم ہوں۔ میں روزانہ 'بچوں کی دنیا' بڑی دلچسپی سے پڑھتا ہوں۔

مزمل نفیس درجہ ششم، ضلع پریشد اردو اسکول، یاچل، رتنا گیری

❑ میرا نام روحینہ ہے۔ میں درجہ چہارم میں پڑھتی ہوں۔ مجھے یہ رسالہ بہت اچھا لگتا ہے۔ میری کلاس کے بچے اور میرے گھر والے بھی 'بچوں کی دنیا' پڑھتے ہیں۔

روحینہ انجم درجہ چہارم، اقرا اردو پرائمری اسکول، مہاراشٹر

❑ میرا نام ثنا فاطمہ ہے۔ میں سلیم اردو ہائی اسکول جماعت ہفتم (الف) کی طالبہ ہوں۔ مدیر انکل میں بچوں کی دنیا میں

لطیفہ، کہانیاں، نظمیں وغیرہ بہت پسند کرتی ہوں۔ مارچ 2016 کی بچوں کی دنیا میں کہانی 'آنسو اور موتی' اور نظم 'نئی ڈش شہد الو' بہت اچھی لگی۔

ثنا فاطمہ حسنین رضا قاضی محلّہ سیوند

□ میرا نام سید محمد عمر شارق ہے۔ میں یونیشنل پرائمری اسکول ناسک میں چوتھی جماعت کا طالب علم ہوں۔ میرے گھر میں سبھی لوگ یہ رسالہ شوق سے پڑھتے ہیں۔ ہم سب ہر مہینے بے صبری سے اس کا انتظار کرتے ہیں۔

سید عمر شارق، IV-A، ناسک، مہاراشٹر

□ میرا نام بشریٰ ہے۔ میں درجہ سوم میں پڑھتی ہوں۔ ایک بار میرے اسکول میں کتابوں کا میلہ لگا تھا۔ وہاں سے میں نے 'بچوں کی دنیا' خریدی۔ کہانیاں، نظمیں بہت اچھی لگتی ہیں۔

بشریٰ، درجہ سوم

□ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' فروری 2016 کا شمارہ میرے ہاتھوں میں ہے اس کے اندر آپس کی باتیں، سائنس کی الف لیلہ، الٹا درخت، بہت ہی عمدہ ہے۔ بچوں کے لیے بہت ہی عمدہ کہانیاں، نظمیں، اس کے اندر موجود ہیں۔ مجھے ہر ماہ اس کا بڑی شدت سے انتظار رہتا ہے اس قسم کا رسالہ بچوں کے لیے میری نظر سے ابھی تک نہیں گزرا ہے اس کے لیے پوری ٹیم عموماً اور مدیر محترم خصوصاً مبارکباد کے مستحق ہیں۔

زاہد مسعود فیضی، ڈومن پورہ حبہ مئوناتھ بھجن، مئو

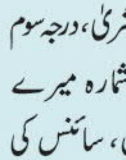

□ میرا نام عائشہ صدیقہ ہے۔ میں جماعت چہارم میں پڑھتی ہوں۔ میں ہر مہینے 'بچوں کی دنیا' کا مطالعہ کرتی ہوں۔ مجھے نظمیں، کہانیاں، سائنس کی الف لیلہ، ہنسی کے غبارے بہت اچھے لگتے ہیں۔

عائشہ صدیقہ آصف اقبال، درجہ چہارم، فرینڈس اردو پرائمری اسکول، امراوتی، مہاراشٹر

□ میرا نام سید مصیب ہے۔ میں جماعت ہفتم میں پڑھتا ہوں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے۔ اس رسالے کے لطیفے مجھے بہت ہنساتے ہیں۔

سید مصیب سید منظور، درجہ ہفتم، فرینڈس اردو پرائمری اسکول، امراوتی، مہاراشٹر

□ میں محمد عفان راؤت باشیبان اردو ہائی اسکول خانہ پور مدرسہ کا طالب علم ہوں۔ میں درجہ نہم میں پڑھتا ہوں۔ مجھے آپ کے ادارے سے نکلنے والا رسالہ 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے۔ اس کتاب میں بہت سی کہانیاں، کہکشاں، سائنس کی الف لیلہ وغیرہ بہترین مضامین شائع ہوتے ہیں۔ میں اور میرے دو بھائی اسرار اور فرقان ہیں اس رسالے کو وہ بہت پسند کرتے ہیں۔ ہمارے ریاضی کے استاد (خالد احمد مجاور سر) نے بتایا کہ 'بچوں کی دنیا' ایک رسالہ ہے جو دہلی سے نکلتا ہے اور وہ رسالہ بہت دلچسپ رنگین ہے اگر آپ طلبہ اس رسالے کو منگوانا چاہتے ہیں تو آپ پوسٹ کے ذریعے منگا سکتے ہیں اور بس ہم نے اسے منگوانا شروع کرایا۔

محمد عفان راؤت، اردو ہائی اسکول، خانہ پور، ضلع بیلگام

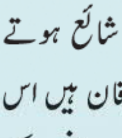

□ میں اریبہ انجم شیخ مصطفیٰ ہوں۔ میں ہر مہینے رسالے کا مطالعہ کرتی ہوں۔ 'بچوں کی دنیا' کی وجہ سے میری معلومات میں اضافہ ہوا ہے۔

اریبہ انجم شیخ مصطفیٰ، درجہ ششم (ب) رحیم نگر اسکول، مہاراشٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

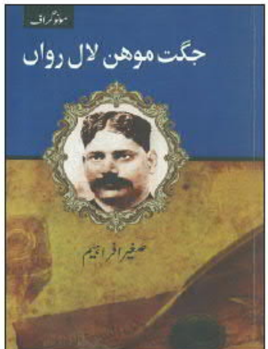

صفحات:146، قیمت: 86روپے

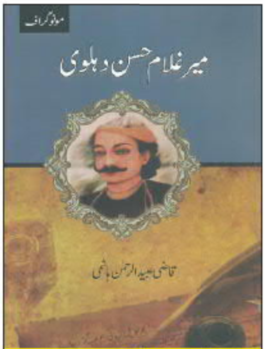

صفحات:128 ،قیمت:77روپے

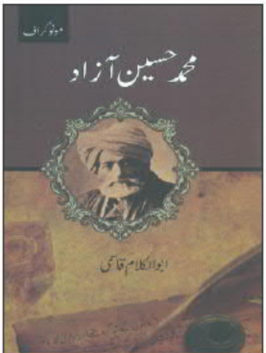

صفحات: 152، قیمت:85 روپے

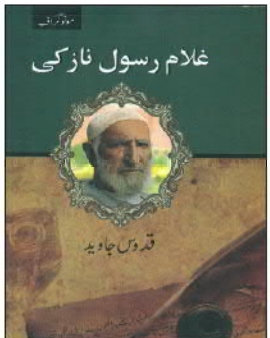

صفحات: 87، قیمت: 65روپے

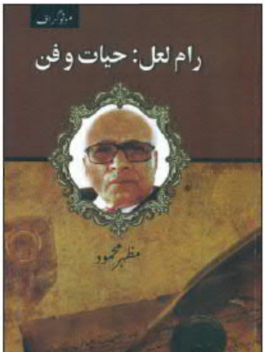

صفحات: 201، قیمت:105 روپے

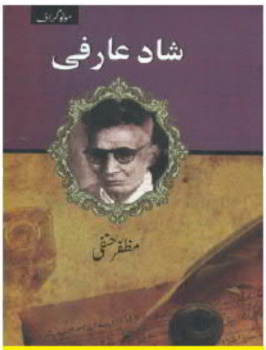

صفحات:142، قیمت:85روپے

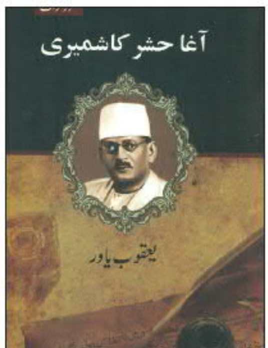

صفحات:132، قیمت:81روپے

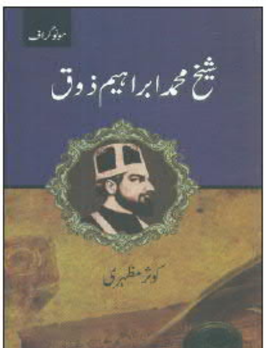

صفحات:109 قیمت:72روپے

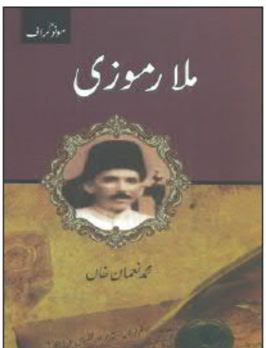

صفحات: 128 ، قیمت:80روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون:011-26109746 ،فیکس:011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, July 2016, Vol. 04, Issue: 7
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/06/16
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

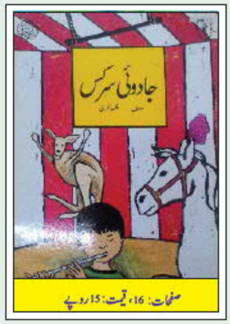

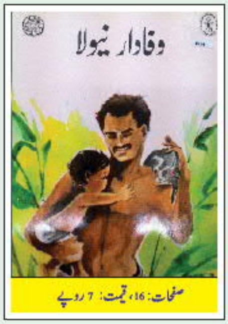

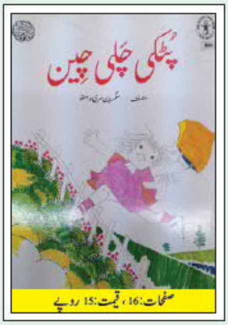

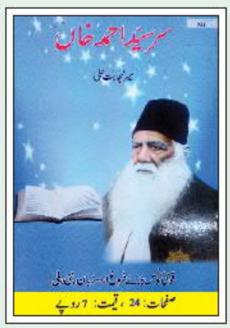

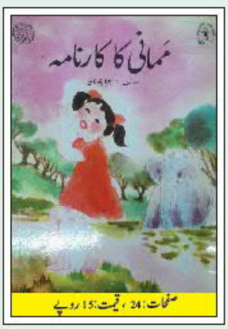

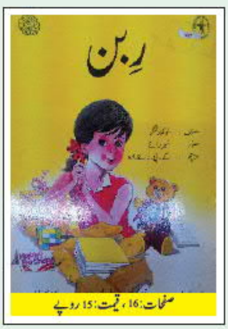

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.